تدبر

لاہور

جاری کردہ: مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مدیر: عبداللہ غلام احمد

یکے از مطبوعات:

ادارہ تدبر قرآن و حدیث

رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور، پاکستان

ای میل: tadabbur@hotmail.com

تدبّر
لاہور

جاری کردہ

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مدیر:

عبداللہ غلام احمد

شمارہ 90

مارچ 2006ء

صفر 1427ھ

فہرست

تذکرہ تبصرہ

غذارسانی کا نظام کامل

مولانا امین احسن اصلاحیؒ 2

تدبر قرآن

اللہ عزیز و حکیم ہے۔۲

عبداللہ غلام احمد 4

تدبر حدیث

• درس صحیح بخاری۔ کتاب فی المظالم والغصب کی روایات

مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 14

• درس موطا امام مالک۔ کتاب النکاح کی روایات

مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 26

مقالات

• انبیاء کی مشترکہ خصوصیات -۲ محبوب سبحانی 38

مراسلہ مذاکرہ

مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 49

مجلس ادارت

- محبوب سبحانی
- سعید احمد
- سید اسحاق علی
- محمد نعمان علی

O

قیمت: 15.00 روپے

سالانہ: 60.00 روپے

بیرون ملک: 400.00 روپے

(ماسوائے برصغیر)

ناشر: ادارہ تدبر قرآن وحدیث۔ رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور

E.mail : tadabbur @ hotmail .com

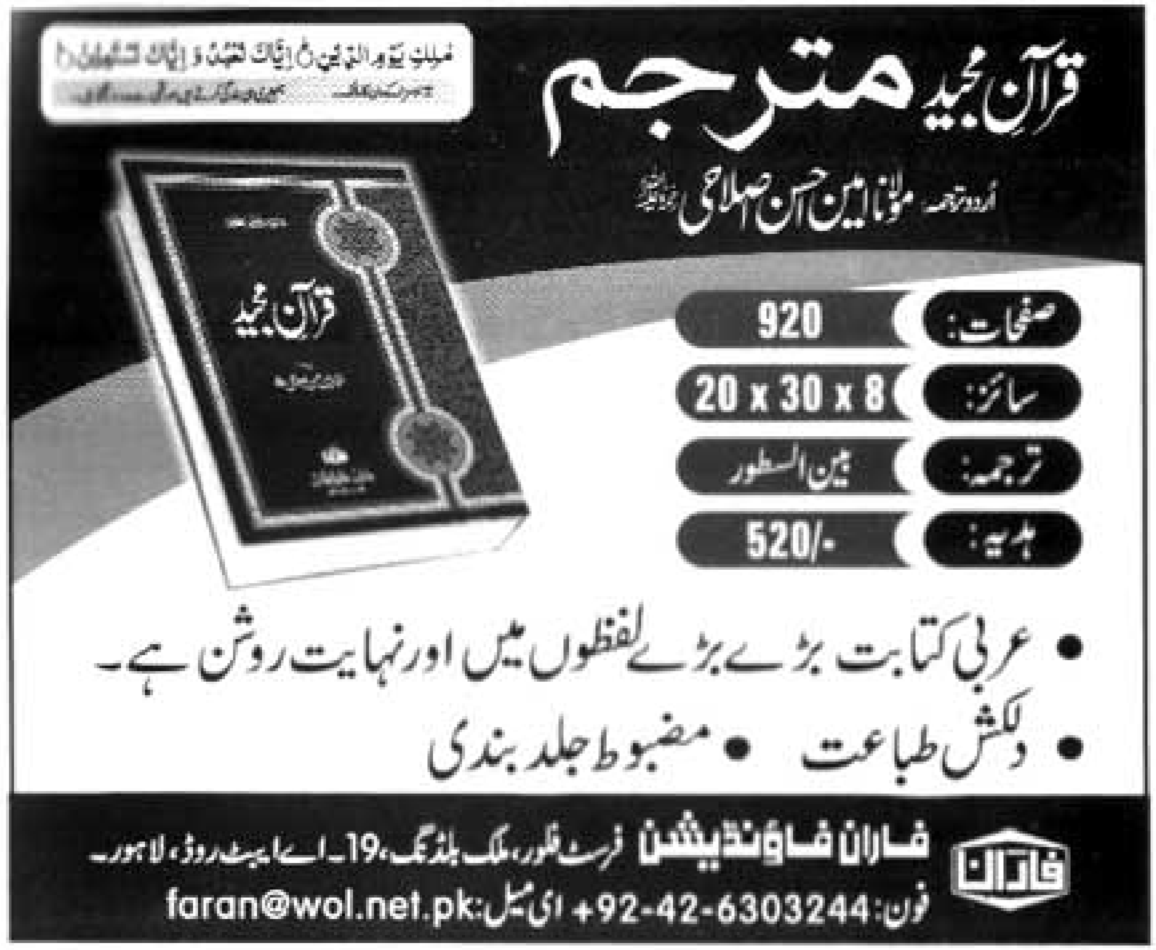

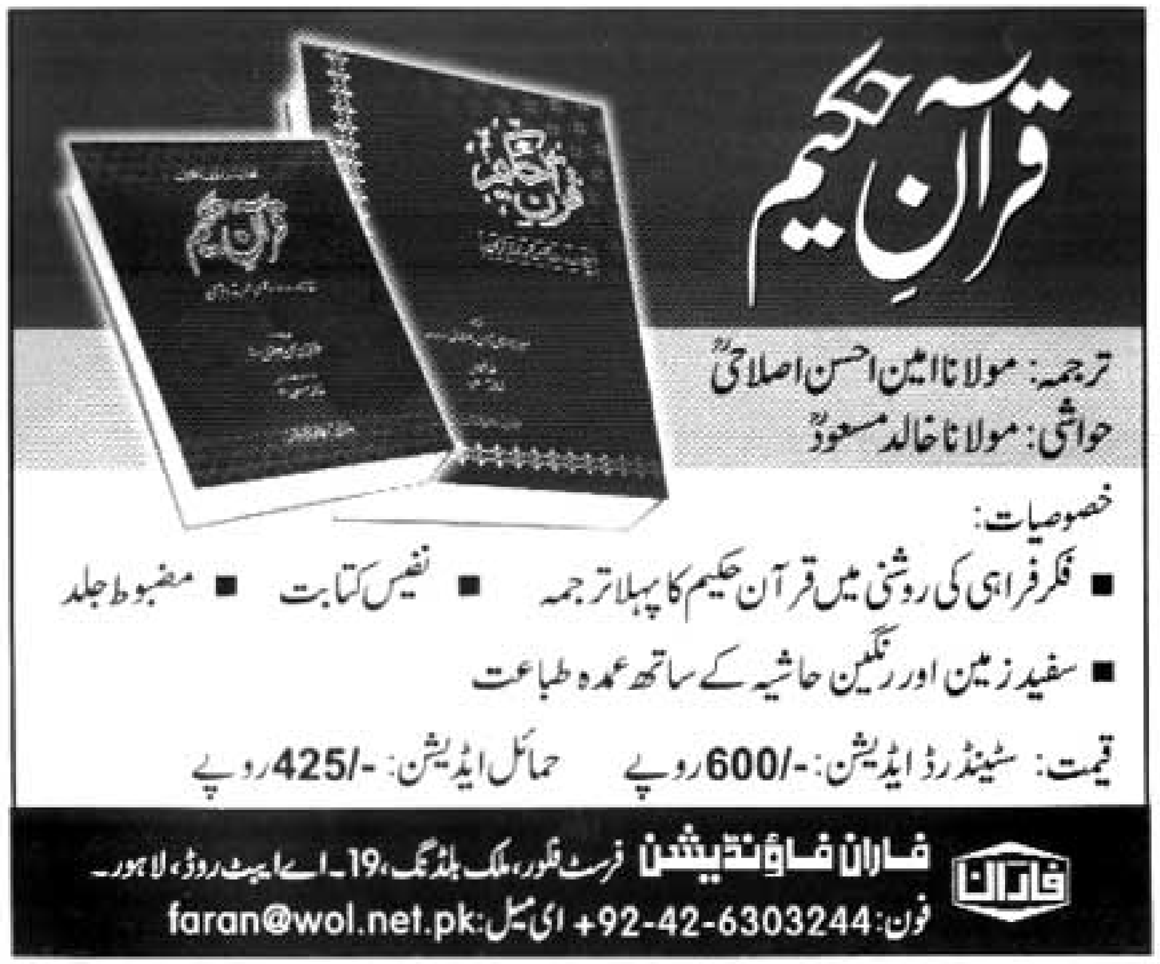

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

غذارسانی کا نظامِ کامل

اللہ تعالیٰ نے زمین کی آغوش میں جتنی مخلوقات ڈالی ہیں یا ڈالے گا اسی حساب سے اس کے اندر غذائی ذخائر بھی مقدر کر دیے ہیں، یہ ذخائر قیامت تک انسان کی سعی وتدبیر سے برآمد ہوتے رہیں گے، ہر مخلوق جو اس زمین پر پیدا ہوگی اس کے حصہ کا رزق اللہ تعالیٰ نے زمین کی تحویل میں دے رکھا ہے اور اس کو برآمد کرنے کی تدبیر بھی انسان کو الہام کر رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جتنی قسم کی مخلوقات پیدا کی ہیں اور ان کی بقا کے لیے جس قسم کی غذا کی احتیاج ان کے اندر رکھی ہے ان سب کی جبلی احتیاج کے اعتبار سے یہ غذائی ذخیرے ودیعت فرمائے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ کچھ مخلوقات تو وجود میں آگئی ہوں لیکن ان کی پرورش کے لیے جس غذا کی ضرورت ہو وہ وجود میں نہ آئی ہو، پہاڑوں کی چوٹیوں پر، زمین کی تہوں میں، سمندر کی تاریکیوں میں جہاں کہیں بھی کوئی چھوٹی بڑی مخلوق موجود ہے اس کے گرد وپیش میں اس کا طبعی رزق موجود ہے۔ بکری گھاس کھا کر زندہ رہتی ہے تو اس کے لیے اللہ نے گھاس پیدا کی ہے، شیر گوشت سے زندہ رہتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ نے شکار کے اسلحے بھی دیے ہیں اور شکار کے لیے جانور بھی پیدا کیے ہیں۔ یہ بات بھی صاف نظر آتی ہے کہ کسی کو اپنی احتیاج کے لیے زبردستی مناسبت پیدا نہیں کرنی پڑی بلکہ جس کو جو کچھ بھی ملا ہے اس کے جبلی تقاضوں کے مطابق ملا ہے یہ اللہ ہی کی شان ہو سکتی ہے کہ وہ اتنی بے شمار مخلوق پیدا کرے اور ہر جنس اور نوع کے جبلی تقاضوں کے مطابق ان کے لیے غذا فراہم کرے، آبی مخلوق کو ان کا رزق سمندروں اور دریاؤں ہی میں ان کے آس پاس مل جاتا ہے اور فراوانی سے ملتا ہے، انہیں رزق کی تلاش میں پانی سے باہر نہیں جانا پڑتا بلکہ اگر وہ پانی سے نکل جائیں تو زندہ بھی نہیں رہ سکتے۔

اسی طرح خشکی کے جانوروں کو خشکی پر سے کھانے پینے کا سامان مل جاتا ہے۔ جنگلی درندوں کو ان کا شکار جنگل ہی میں دستیاب ہوتا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نوع بنوع جانور پیدا کیے ہیں اور ان جانوروں کے لیے بھی جنگل میں سامان زیست فراہم کیا ہے۔ ہرن، بارہ سنگھے، نیل گائے وغیرہ جو شیر، چیتے، تیندوے کی مرغوب غذا ہیں جنگل کی گھاس اور پتوں پر پروان چڑھتے ہیں۔ میدانی علاقوں کے جانوروں کے لیے گھاس، پتے اور دوسری چیزیں انہیں اپنے گرد وپیش ہی میں میسر آجاتی ہیں اس کے لیے انہیں دور دراز کا سفر نہیں کرنا پڑتا۔ پہاڑی جانوروں کو پہاڑوں پر ہی غذا مل جاتی ہے۔ برفانی علاقوں کے جانوروں کو وہیں سب کچھ میسر آجاتا ہے ان کو رزق کی تلاش میں گرم علاقوں کا سفر نہیں کرنا پڑتا حتیٰ کہ پتھر اور آگ کے کیڑے کو پتھر اور آگ ہی میں رزق مہیا ہو جاتا ہے۔

البتہ انسان ایسی مخلوق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل کی نعمت اور دوسری قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے جن کو کام میں لا کر وہ اپنا رزق بحر وبر دونوں جگہ تلاش کرتا ہے جو ایک طرف اس کی جسمانی قوتوں اور صلاحیتوں کی آبیاری کرتی ہے اور دوسری طرف اس کے ذوق اور تنوع پسندی کی تسکین کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ ربوبیت عام اور رحمت تمام ہے۔

(تدبر قرآن۔ تفسیر حٰم السجدہ)

"آخرت میں کام آنے والی چیز وہ نیکیاں ہیں جو اس دنیا میں کر لی جائیں۔ خدا کی میزان میں انھی کے اندر وزن ہوگا۔ جس نے ان کا ذخیرہ جمع کر لیا وہ فلاح پائے گا اور جو ان سے محروم رہا اس نے خواہ کتنا ہی خزانہ اکٹھا کر لیا ہو اس کی میزان بالکل بے وزن رہے گی۔ حسرت واندوہ کے سوا اس کے حصہ کچھ نہیں آئے گا۔"

(تدبر قرآن: جلد ۹، صفحہ ۵۱۹)

عبداللہ غلام احمد

اللہ عزیز وحکیم ہے

-۲-

۱۸۔ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ (العنکبوت ۲۹:۴۲)

''بے شک اللہ اچھی طرح جانتا ہے ان چیزوں کو جن کو یہ اس کے سوا پکارتے ہیں اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

اس آیت سے اوپر والی آیت میں ایک تمثیل کی صورت میں سمجھایا ہے کہ اللہ کے سوا دوسروں کا سہارا ڈھونڈھنے والوں کی مثال مکڑی کی ہے جو اپنے بنے ہوئے جالے کو اپنے زعم میں بڑی چیز سمجھتی ہے لیکن سب سے زیادہ بے ثبات اور بودا گھر مکڑی ہی کا ہوتا ہے جو ہوا کے ایک جھونکے کی بھی تاب نہیں لاسکتا۔ اس آیت میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دیویوں اور دیوتاؤں کی حقیقت سے اچھی طرف واقف ہے یعنی یہ دیوی دیوتا اس خدا کے مقابل میں اپنے پجاریوں کے کیا کام آسکیں گے جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ 'عزیز' یعنی سب پر غالب اور سب کی رسائی سے بالاتر، 'حکیم' یعنی جس کا ہر کام عدل وحکمت پر مبنی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب خدا عزیز ہے تو کوئی دوسرا، خواہ اس کا مرتبہ کتنا ہی اونچا ہو، اس کو اپنے زور واثر سے دبا نہیں سکتا اور جب وہ حکیم ہے تو کوئی اس کے قانونِ مجازات وعدل کو باطل نہیں کرسکتا۔ مشرکین اپنے اپنے معبودوں کے متعلق یہ گمان رکھتے تھے کہ یہ خدا کے ہاں بڑا زور واثر رکھنے والے ہیں۔ اس وجہ سے یہ اپنی پرستش کرنے والوں کو، خواہ ان کے اعمال کچھ بھی ہوں، خدا کی پکڑ سے بچالیں گے۔ یہ عقیدہ خدا کے عزیز وحکیم ہونے کی نفی کرتا ہے اس وجہ سے اپنی ان صفتوں کی یاددہانی سے اس بیہودہ عقیدہ کی نفی کردی۔

۱۹۔ وَ ہُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ وَ ہُوَ اَہۡوَنُ عَلَیۡہِ ؕ وَ لَہُ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی فِی

السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ (الروم ۳۰:۲۷)

''اور وہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے، پھر وہ اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے سب سے برتر صفت ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

فرمایا کہ وہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اعادہ اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔ آسمانوں اور زمین میں تمام اعلیٰ صفتوں کا حقدار وہی ہے۔ کوئی دوسرا ان صفات میں اس کا شریک وسہیم نہیں ہے۔ اس کے بعد خاص طور پر اپنی دو صفتوں، عزیز وحکیم کا حوالہ دیا کہ وہ ہر چیز پر غالب، سب سے بالاتر ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی کام بھی مشکل نہیں۔ اس کے ارادے میں کوئی چیز بھی دخیل نہیں اور اس کائنات میں کوئی نہیں جو اس کی صفات میں اس کی برابری کرسکے۔ اس سے لازمی طور پر یہ بات آپ سے آپ نکل آئی کہ جب صفات میں کوئی اس کی برابری کا نہیں تو اس کے حقوق میں بھی کوئی اس کی برابری کا نہیں قرار دیا جاسکتا۔

۲۰۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ جَنّٰتُ النَّعِیۡمِ ۙ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقًّا ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ (لقمان ۳۱:۸-۹)

''البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے نعمت کے باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔''

اس آیت سے پچھلی آیات کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب ایک پرحکمت کتاب ہے جو لوگوں کے لیے ہدایت ورحمت بن کر نازل ہوئی ہے لیکن اس کا فیض انہی لوگوں کو پہنچے گا جو اپنی فطرت کی صلاحیتیں زندہ رکھنے والے اور ان سے کام لینے والے ہیں۔ ایسے وہ لوگ جو اس حکیمانہ کلام پر مخالفین کی مزخرف باتوں کو ترجیح دیتے ہیں اور اس سے مستکبرانہ اعراض کررہے ہیں تو وہ اپنے اس استکبار کی پاداش میں ذلت کے عذاب سے دوچار ہوں گے۔ ان دو آیات میں بشارت یہ ہے کہ عزت وسرفرازی صرف اس پر ایمان لانے والوں ہی کو حاصل ہوگی۔ اللہ کا وعدہ شدنی ہے۔ اس وعدے کے حتمی ہونے پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات، 'عزیز وحکیم' سے دلیل پیش فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر مستکبروں اور ظالموں کو سزا اور ایمان وعمل صالح والوں کو جزا نہ دے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ نہ وہ عزیز ہے نہ حکیم ہے بلکہ العیاذ باللہ وہ ایک بالکل عاجز وبے بس ہستی ہے۔ جس نے بالکل بے غایت وبے حکمت یہ دنیا بنا ڈالی حالانکہ یہ بات بالبداہت غلط ہے۔ خدا نہ صرف عزیز وحکیم ہے بلکہ حقیقی عزیز وحکیم وہی ہے۔

۲۱۔ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (لقمان ۳۱: ۲۷)

''اگر زمین میں جو درخت ہیں وہ قلم بن جائیں اور سمندر، سات مزید سمندروں کے ساتھ، روشنائی بن جائیں جب بھی اللہ کی نشانیاں قلم بند نہیں ہوسکتیں، بے شک اللہ غالب وحکیم ہے۔''

اس کائنات میں خدا کی اتنی نشانیاں ہیں کہ اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر، مزید سات سمندروں کے اضافے کے ساتھ، روشنائی بن جائیں جب بھی ان کا قلم بند کیا جانا ممکن نہیں ہے۔ اور یہ تمام نشانیاں اس بات پر شاہد ہیں کہ اس کا خالق عزیز وحکیم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات میں سے ہیں۔ قرآن مجید میں ان سے جگہ جگہ توحید، قیامت اور رسالت پر استدلال کیا گیا ہے اور یہی مسائل قرآن کے اصولی مسائل ہیں۔ گویا کائنات کی ہر چیز اس کے خالق کے عزیز وحکیم ہونے کی گواہی دے رہی ہے اور انھی کے مقتضیات ہیں جن کو تسلیم کرنے کی قرآن دعوت دے رہا ہے۔

۲۲۔ قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِہٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (سبا ۳۴: ۲۷)

''کہو: ذرا مجھے ان کو دکھاؤ تو جن کو تم نے شریک بنا کر اس کے ساتھ جوڑ رکھا ہے! ہرگز نہیں! بلکہ وہ اللہ عزیز وحکیم ہے۔''

اس آیت کا اسلوب طنز وتحقیر اور تہدید وعید کا ہے۔ فرمایا کہ ان کو دکھاؤ تو سہی جن کو تم نے شریکوں کی حیثیت سے خدا کے ساتھ چپکا رکھا ہے۔ آخر وہ کون اور کہاں ہیں جو ایسے عالی مقام ہیں کہ وہ خدا کی خدائی میں ساجھی بنا دیے گئے ہیں! سوال کے بعد خود ہی جواب دے دیا کہ ہرگز نہیں! کسی کا بھی یہ درجہ و مرتبہ نہیں ہے کہ اس کو خدا کا شریک قرار دیا جا سکے۔ اس کے بعد اس نفی کی دلیل اللہ تعالیٰ کی مسلمہ صفات سے دی ہے۔ فرمایا کہ وہ عزیز وحکیم ہے۔ 'عزیز' یعنی سب کی رسائی سے بالاتر اور ہر چیز پر غالب ومقتدر، 'حکیم' یعنی اس کا ہر فعل غایت وحکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ ان صفات کا ذکر حصر کے اسلوب میں فرمایا ہے یعنی وہ ان صفات سے کمال درجہ متصف ہے اور جب وہ ان سے کمال درجہ متصف ہے تو اس کے ساتھ شریک کا کوئی جوڑ نہیں اس لیے کہ اگر کسی کو اس کا شریک اس پہلو سے مانا جائے کہ اس کائنات کے خلق وتدبیر میں خدا اس کا محتاج ہے تو یہ اس کے عزیز ہونے کی نفی ہے اور اگر اس پہلو سے مانا جائے کہ کوئی اپنی رسائی وتقرب سے اس کے بے لاگ عدل پر اثر انداز ہو سکتا ہے تو یہ اس کے حکیم ہونے کی نفی ہوئی۔ مشرکین کے شرک میں اصلی عامل کی

حیثیت انھی دونوں غلط فہمیوں کو حاصل تھی۔ یہاں اللہ کی ان دو صفتوں نے ان دونوں غلط فہمیوں کی بنیاد ڈھا دی۔

۲۳۔ مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِہٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (فاطر ۳۵: ۲)

''اللہ لوگوں کے لیے جس رحمت کا فتح باب کرے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں، اور جس کو روک لے تو اس کے کوئی اس کو کھولنے والا نہیں، اور وہی حقیقی عزیز وحکیم ہے۔''

یہ دلیل بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ کیوں خدا ہی شکر کا سزاوار ہے۔ فرمایا کہ اللہ تمھارے لیے جس فضل ورحمت کا بھی دروازہ کھولنا چاہے وہ اس کو کھول سکتا ہے، کوئی اس کے فضل ورحمت کو روک نہیں سکتا۔ اس طرح کسی رحمت سے محروم کرنا چاہے تو کسی کی طاقت نہیں کہ وہ تمھیں اس سے بہرہ مند کر سکے۔ وہ عزیز ہے یعنی اصل غالب ومقتدر وہی ہے وہ کھولتا اور روکتا ہے اور یہ کھولنا اور باندھنا تمام اس کی حکمت کے تقاضوں کے تحت ہوتا ہے اس لیے کہ وہ حکیم بھی ہے۔

۲۴۔ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ (الزمر ۳۹: ۱)

''یہ کتاب نہایت اہتمام سے خدائے عزیز وحکیم کی طرف سے اتاری گئی ہے۔''

۲۵۔ حٰمٓ ۝ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ (الجاثیہ ۴۵: ۱۔۲)

''یہ حٰمٓ ہے۔ اس کتاب کی تنزیل خدائے عزیز وحکیم کی طرف سے ہے۔''

۲۶۔ حٰمٓ ۝ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ (الاحقاف ۴۶: ۱۔۲)

''یہ حٰمٓ ہے۔ یہ کتاب نہایت اہتمام سے خدائے عزیز وحکیم کی طرف سے اتاری گئی ہے۔''

'تنزیل' کے معنی صرف اتارنے کے نہیں بلکہ اس کے اندر تدریج واہتمام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہ تمہیدی آیات اپنے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی بھی رکھتی ہیں اور قرآن کے مکذبین کے لیے تہدید ووعید بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی کا پہلو یہ ہے کہ تم نے یہ کتاب نہ خود تصنیف کی ہے نہ خدا سے مانگ کر اپنے اوپر اتروائی ہے بلکہ تمھارے رب نے خود تمھارے اوپر نہایت اہتمام کے ساتھ درجہ بدرجہ اتاری ہے اور اتار رہا ہے۔ تو تم اطمینان رکھو کہ وہی اس کی صداقتیں ظاہر کرے گا۔ وہ کوئی بے بس ہستی نہیں بلکہ عزیز یعنی غالب ومقتدر ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ کوئی اس کے ارادے میں مزاحم نہیں ہو سکتا لیکن عزیز

ہونے کے ساتھ حکیم بھی ہے۔ اس وجہ سے اگر اس راہ میں کچھ مزاحمتیں پیش آرہی ہیں یا آئندہ آئیں تو ان کو خدا کی حکمت پر محمول کرو۔ کوئی بات خدا کے حکم کے بغیر نہیں ہوتی اور اس کا ہر کام حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

ان آیات کے اندر تہدید کا پہلو یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نہایت اہتمام و تدریج کے ساتھ لوگوں کی ہدایت کی لیے اتار رہا ہے۔ جو خدا اس کتاب کو اس اہتمام سے اتار رہا ہے وہ کوئی ضعیف و ناتواں اور عاجز و بے بس ہستی نہیں ہے بلکہ تمام کائنات کا اختیار و اقتدار اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ کسی سائل کی درخواست نہیں بلکہ تمام کائنات کے حقیقی مالک کا فرمان واجب الاذعان ہے۔ اگر اس کا کما حقہ احترام نہ کیا گیا تو لوگ یاد رکھیں کہ وہ لوگوں کو پکڑے گا تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہ بن سکے گا۔ اس کی ایک شان یہ بھی ہے کہ اگر ناقدرے اور ناشکرے اس کے کلام اور اس کے رسول کی توہین کر رہے ہیں لیکن وہ غالب و مقتدر ہونے کے باوجود ان کو پکڑنے میں جلدی نہیں کر رہا ہے بلکہ ان کو مہلت پر مہلت دیے جا رہا ہے تو اس لیے کہ جن کے اندر صلاحیت ہے وہ اپنی اصلاح کر کے اپنے آپ کو اللہ کی رحمت کا مستحق بنالیں اور جو اپنی صلاحیتیں برباد کر چکے ہیں ان پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے تا کہ حساب کے دن عذر نہ کر سکیں۔

۲۷۔ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المومن ۴۰: ۷-۸)

''جو عرش کو اٹھائے ہوئے اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اس کی حمد کے ساتھ، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں جو ایمان لائے ہیں: اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جو توبہ کریں اور تیرے راستہ کی پیروی کریں اور ان کو عذاب جہنم سے بچا! اے ہمارے رب! اور ان کو ہمیشگی کے ان باغوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ اور ان کو بھی جو ان کے آباء اور ازواج و ذریات میں جنت کے لائق ٹھہریں۔ بے شک غالب اور حکمت والا تو ہی ہے۔''

جو لوگ فرشتوں کی سفارش کے بل پر خدا اور اس کے روز جزا سے بے پروا بیٹھے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا کے فرشتے خدا کے باغیوں کے سفارشی نہیں بلکہ وہ ہر وقت خدا کی حمد و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ان اہل ایمان کے لیے برابر استغفار کرتے رہتے ہیں جو اپنی گمراہیوں سے

توبہ کر کے خدا کے راستہ کی پیروی کرتے ہیں۔ نیز وہ ان کے آباء، ازواج اور ذریات میں سے صرف ان لوگوں کے لیے دعا کرتے ہیں جو توبہ و اصلاح سے اس کے لیے استحقاق پیدا کرلیں اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ فرشتوں کی طرف سے تفویض الی اللہ کا کلمہ ہے یعنی تو جو چاہے کر سکتا ہے لیکن ساتھ ہی تو حکیم بھی ہے اس وجہ سے وہی کرے گا جو عدل و حکمت پر مبنی ہوگا۔

۲۸۔ حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الشوریٰ ۴۲: ۱-۳)

''یہ حم عسق ہے۔ اسی طرح خدائے عزیز و حکیم وحی کرتا ہے تمہاری طرف اور اسی طرح وحی کرتا رہا ہے ان کی طرف جو تم سے پہلے گزرے۔''

ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی بھی ہے اور مخالفین پر اتمام حجت بھی۔ تسلی کا پہلو یہ ہے کہ آپ اسی دین کی دعوت دے رہے ہیں جس کی دعوت تمام نبیوں اور رسولوں نے دی تو آپ کوئی ایسی بات نہیں پیش کر رہے ہیں جس سے لوگ وحشت زدہ ہوں۔ جو لوگ اس سے وحشت زدہ ہیں وہ تمام نبیوں کی دعوت کے مخالف اور تعصب و عناد میں مبتلا ہیں۔ اسی طرح اگر آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کرا سکتے یا اس کو کلام کرتے ہوئے دوسروں کو سنا نہیں سکتے تو یہ چیز بھی آپ کی نبوت کا کوئی نقص نہیں۔ آپ اللہ کی وحی پیش کر رہے ہیں اور اللہ جس سے بھی بات کرتا ہے وحی کے ذریعہ ہی سے کرتا ہے۔ تہدید کا پہلو یہ ہے کہ وہ عزیز و حکیم ہے۔ جب اللہ عزیز ہے تو وہ گردن کشوں کو جب چاہے دبا سکتا ہے۔ اگر وہ فوراً نہیں دباتا تو وہ اپنی حکمت کے تحت ان کو مہلت دے رہا ہے۔ اس وجہ سے پیغمبر کو اپنے رب عزیز و حکیم پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور ان لوگوں کا معاملہ اسی کے حوالے کرنا چاہیے۔

۲۹۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۠ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الجاثیہ ۴۵: ۳۶-۳۷)

''پس اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا خداوند عالم کا رب۔ شکر کا سزاوار ہے اور اسی کے لیے ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

شکر کا سزاوار تو وہی اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا خداوند اور جو عالم والوں کا خداوند ہے۔ پھر اس کے سوا تم نے دوسرے ارباب کہاں سے نکال لیے؟ آسمانوں اور زمین کے الٰہ کس طرح ٹھہرا لیے؟ اتنے دیوی

دیوتا کس نے ایجاد کر لیے؟ جب اس ساری کائنات کا خداوند اللہ ہی ہے تو اصل مالک اور بادشاہ کے ہوتے آسمانوں یا زمین میں کسی دوسرے کی کبریائی اور بڑائی کی گنجائش کہاں سے نکلی؟ پھر تو ساری کبریائی کا حقدار وہی ہوا، سب کو اسی کے آگے سرفگندہ ہونا اور اسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔ اگر کوئی اس کی مملکت کے اندر اس کے مقابل میں سر اٹھاتا ہے تو وہ اس کی کبریائی کو چیلنج کرتا ہے۔ اور جو اس کی کبریائی کو چیلنج کرے گا وہ لازماً کیفرِ کردار کو پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ عزیز یعنی غالب و مقتدر ہے اس وجہ سے کوئی اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا لیکن ساتھ ہی وہ حکیم بھی ہے اس وجہ سے اگر اس نے لوگوں کو سرکشی کے لیے مہلت دے رکھی ہے تو اس سے کسی کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ خدا کی گرفت سے باہر ہو گیا بلکہ اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے اور یہ حکمت ایک دن سب کے سامنے ظاہر ہو کر رہے گی۔

۳۰۔ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (الفتح ۴۸:۷)

''اور اللہ ہی کی ہیں آسمانوں اور زمین کی فوجیں اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے''

اوپر آیت ۴ میں یہی الفاظ صرف ایک لفظ 'عزیز' کے فرق کے ساتھ 'علیما حکیما' آئے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو رسول کی مدد کے لیے آمادہ کر دیا تاکہ وہ اپنی اس نیکی سے ایمان پر مزید ایمان کا اضافہ کر لیں۔ آسمان اور زمین کی تمام فوجیں اللہ ہی کے تصرف میں ہیں۔ وہ جب چاہے کفار سے اپنی فوجوں کے ذریعہ انتقام لے سکتا ہے لیکن اس نے اہل ایمان کو اپنے رسول کی نصرت کی دعوت دے کر یہ چاہا کہ ان کے لیے فوزِ عظیم کی راہ کھولے۔ اللہ علیم و حکیم ہے۔ اس کا ہر کام علم و حکمت پر مبنی ہوتا ہے اور اس کے اس کام میں عظیم حکمت ہے۔

یہاں اس آیت میں منافقین سے بیزاری اور بے نیازی کا اظہار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ منافقین جہنم ہی کا ایندھن بننا چاہتے ہیں تو بن جائیں۔ اللہ کو ان بزدل لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ آسمانوں اور زمین کے سارے لشکر اس کے اپنے ہیں۔ وہ ہر چیز پر غالب و مقتدر ہے اور ساتھ ہی وہ حکیم بھی ہے۔ اپنی حکمت کے تحت وہ ان لشکروں کو جس طرح چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ کسی کی بزدلی اور پست ہمتی اس کے ارادوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

۳۱۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

عَزِيْزًا حَكِيْمًا (الفتح ۴۸:۱۹)

''اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب کہ وہ تم سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے۔ تو اللہ نے ان کے دلوں کا حال جان لیا تو اتاری ان پر طمانیت اور ان کو ایک عنقریب ظاہر ہونے والی فتح سے نوازا اور بہت سی غنیمتوں سے بھی جن کو وہ حاصل کریں گے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات عزیز و حکیم کا حوالہ دے کر اس بات کی ضمانت دی ہے کہ اس کے تمام وعدے پورے ہوں گے۔ ظاہری حالات کتنے ہی ناساعد ہوں لیکن اس کی قدرت و حکمت ہر چیز پر غالب ہے۔

۳۲۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحدید ۵۷:۱)

اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہیں ساری چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

۳۳۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحشر ۵۹:۱)

''اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور وہ غالب و حکیم ہے۔''

۳۴۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الصف ۶۱:۱)

''اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہیں جو چیزیں آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں اور وہ غالب و حکیم ہے۔''

۳۵۔ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (الجمعہ ۶۲:۱)

''تسبیح کرتی ہیں آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اس اللہ ہی کی جو بادشاہ، قدوس، عزیز اور حکیم ہے۔''

لفظ 'تسبیح' کے اندر تنزیہہ کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ اور بندگی اور عبادت کا بھی۔ کائنات کی ہر چیز کسی نہ کسی صورت میں اپنے رب کی تسبیح کرتی ہے یہاں تک کہ قرآن مجید میں یہ حقیقت بھی واضح فرمائی گئی ہے کہ جو انسان طوعاً تسبیح نہیں کرتے ہیں انہیں تکوینی دائرے میں کرھاً یہ کام کرنا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ عزیز اور ساتھ ہی حکیم ہے اس وجہ وہی حقدار ہے کہ سب اس کی تسبیح و بندگی کریں۔ عزیز یعنی ہر چیز پر غالب، ہر اختیار کا مالک، کوئی نہیں جو اس کی دسترس سے باہر ہو، کوئی نہیں جو اس کو دبا سکے یا اپنے زور سے اس پر اثر انداز ہو سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ حکیم بھی ہے اس وجہ سے اس کا ہر فعل حکمت، عدل اور رحمت پر مبنی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے زور میں جو چاہے کر ڈالے خواہ غایت ہو یا نہ ہو۔ یہ کائنات اس کی قدرت کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے اور یہ اپنے وجود سے شہادت دے رہی ہے کہ اس کو وجود میں لانے والا ہر چیز پر

غالب ہے اوراس کے ہر کام میں اتھاہ حکمت پوشیدہ ہے۔ اس کی حکمت یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ ایک ایسا دن بھی لائے جس میں ان لوگوں کو صلہ عطا فرمائے جنھوں نے اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کے اندر زندگی گزاری اور ان لوگوں کو سزا دے جنھوں نے اس کی حدود سے تجاوز کیا۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو یہ اس کی عزت و قدرت کے منافی ہے اور اگر کر سکنے کے باوصف نہ کرے تو یہ اس کی حکمت اور اس کے عدل کے منافی ہے۔ اس کے بغیر یہ دنیا بازیچہ اطفال اور اندھیر نگری بن کر رہ جاتی ہے اور یہ ایک عزیز وحکیم کی شان کے بالکل خلاف ہے کہ وہ اتنا بڑا کارخانہ محض کھیل تماشے کے لیے بنا ڈالے۔

۳۶۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحشر ۵۹:۱)

''وہی اللہ ہے نقشہ بنانے والا، وجود میں لانے والا، صورت گری کرنے والا، اسی کے لیے ساری اچھی صفتیں ہیں۔ اسی کی تسبیح کرتی ہیں جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

اللہ ہی ہے جو ہر چیز کو وجود کے تمام مراحل طے کراتا ہے۔ وہی ہر چیز کا خاکہ تیار کرتا ہے۔ وہی پھر اس کو وجود بخشتا ہے پھر وہی اس کی صورت گری کرتا اور نوک پلک درست کرتا ہے۔ ان میں سے کسی مرحلہ میں وہ نہ کسی کا طالب مدد ہوتا نہ کوئی اس کا ہاتھ بٹاتا یا بٹا سکتا ہے تو آخر کوئی دوسرا اس کا کسی چیز میں بھی شریک کس طرح بن جائے گا! چونکہ ہر چیز کے وجود کے تمام مراحل اللہ ہی نے طے کرائے ہیں اس وجہ سے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہے۔ انسان کے لئے بھی صحیح رویہ یہی ہے کہ وہ اپنے رب ہی کی تسبیح و بندگی کرے۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے۔ انسان کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ عزیز ہے اس وجہ سے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو انسان بھی اسی طرح مجبورانہ اپنے رب کی بندگی و تسبیح کرتا جس طرح ساری کائنات کر رہی ہے لیکن وہ حکیم بھی ہے اس وجہ سے اس نے چاہا کہ وہ انسان کو اختیار دے کر آزمائے کہ وہ یہ شرف پا کر اپنے رب کا حق پہچانتا ہے یا شیطان کا مرید بن جاتا ہے۔

۳۷۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الممتحنہ ۶۰:۵)

''اے ہمارے رب! ہم کو ان لوگوں کا تختہ مشق نہ بننے دینا جنھوں نے کفر کیا۔ بے شک تو غالب اور

حکمت والا ہے۔''

'فتنۃ' یہاں ہدف فتنہ کے معنی میں ہے اور اس سے مراد کفار کی طرف سے وہ اذیتیں ہیں جو مسلمانوں کو وہ پہنچا سکتے۔ پچھلی آیت میں جو دعا ہے یہ آیت اسی کا حصہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تیری توحید کی غیرت وحمیت میں ان مشرکوں سے اعلانِ برأت وعداوت کر دیا۔ اب ان کی طرف سے جو کچھ بھی پیش آئے ہم اس کے لیے سینہ سپر ہیں لیکن ہمارا بھروسہ تیری مدد پر ہے۔ ان کو اتنی ڈھیل نہ دینا کہ وہ ہم کو اپنے مظالم کا تختہ مشق بنا لیں۔ اے ہمارے رب! ہماری کمزوریوں اور گناہوں کو بخش۔ ہمارے گناہ اس بات کا سبب نہ بن جائیں کہ ہمارے دشمن ہمیں کمزور پا کر اپنی ستم رانیوں کا ہدف بنا لیں۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ تفویض کا کلمہ ہے یعنی تو ہر چیز پر غالب ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ کوئی تیرا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ ساتھ ہی تو حکیم بھی ہے، تیرا ہر کام حکمت پر مبنی ہے اس وجہ سے ہم اپنا معاملہ کلیۃ تیرے حوالے کرتے ہیں۔ تو جو کرے گا اسی میں خیر، اسی میں حکمت ومصلحت ہے۔

۳۸۔ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الجمعہ ۶۲:۳)

''اور انہی میں سے ان دوسروں میں بھی جو ابھی ان میں شامل نہیں۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

یہ اشارہ ان بنی اسمٰعیل کی طرف ہے جنھوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس آیت میں نہایت خوبصورت اور بلیغ اسلوب سے بنی اسمٰعیل کے ان لوگوں کو بھی دعوت دے دی جو ابھی اسلام سے بیگانہ تھے۔ 'لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ' کے الفاظ میں یہ بشارت بھی مضمر ہے کہ گو ابھی وہ ملے نہیں لیکن عنقریب مل جائیں گے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ چاہے تو ساری خلق کو ہدایت بخش دے وہ عزیز وغالب ہے لیکن وہ حکیم بھی ہے اس وجہ سے ہدایت سے انہی کو سرفراز کرتا ہے جو اس کی حکمت کے تحت سزاوار ہوتے ہیں۔ والعلم عند اللہ۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

درس صحیح بخاری

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

کتاب فی المظالم والغصب

مظالم اور جبری قبضہ کے بارے میں کتاب

وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ ، اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِي رُؤُوْسِهِمْ ، رَافِعِي الْمُقْنِعُ وَالْمُقْمِحُ وَاحِدٌ، وَقَالَ مُجَاهِدٌ : مُهْطِعِيْنَ مُدِيمِي النَّظَرِ ، وَيُقَالُ مُسْرِعِيْنَ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِم طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ يَعْنِيْ جُوْفًا لَا عُقُوْلَ لَهُمْ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَا اَخِّرْنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَالَكُمْ مِنْ زَوَالٍ وَسَكَنْتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَاللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ.

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں بھی ہے کہ ''اور ظالموں کے اعمال سے اللہ کو غافل نہ سمجھنا'' اللہ ان کو اس دن تک مہلت دے رہا ہے جس دن آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ سر اوپر کو اٹھائے دوڑتے ہوں گے، مقنع اور مقمح کے معنی ایک ہی ہیں اور مجاہد نے کہا مہطعین کے معنی برابر نظر ڈالنے والوں کے ہیں اور بعضوں نے کہا اس کے معنی جلدی بھاگنے والے کے ہیں۔ ''ان کی نگاہ واپس نہ لوٹے گی اور دلوں کے چھکے چھوٹ جائیں گے''۔ یعنی عقل سے خالی ہو جائیں گے۔ ''اور ان لوگوں کو اس دن سے ڈرا جب ان پر عذاب اترے گا۔ اس دن نافرمان لوگ کہیں گے اے رب ہم کو تھوڑی مہلت اور دے تو ہم تیرا حکم مان لیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔ کیا تم نے پہلے یہ قسم نہیں کھائی تھی کہ ہم کو کبھی زوال نہیں ہونے کا اور تم نافرمانوں کے گھروں میں جا بسے تھے اور تم کو معلوم ہو گیا تھا کہ ہم نے ان سے کیا کیا اور ہم نے تم کو مثالیں بتا دیں۔ اور یہ بڑے داؤ کر رہے تھے اور اللہ کے پاس ان کا داؤ توڑ ہے، اور ان کے مکر ایسے ہیں کہ ان سے پہاڑ سرک جائیں گے۔ تو تم یہ مت سمجھو کہ اللہ اپنے وعدہ کے خلاف کرے گا جو اس نے رسولوں سے کیا۔ بے شک اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا''۔

وضاحت:

اس کتاب میں امام صاحب ایسی احادیث لانا چاہتے ہیں جو لوگوں کی ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی اور ان کے مال ہتھیانے کے بارے میں ہیں۔ نیز اس کتاب میں اہل شرک اور رسولوں کے مکذبین کے بارے میں احادیث پیش کی جائیں گی۔ جو آیت نقل کی گئی ہے وہ مشرکین کے انجام کے بارے میں ہے۔

۱۔باب: قِصَاصُ الْمَظَالِمِ

باب: ظلم کا قصاص

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ اَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِي الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيِّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ حُبِسُوْا بِقَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيَتَقَاصُّوْنَ مَظَالِمَ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا ، حَتّٰى اِذَا نُقُّوْا وَهُذِّبُوْا، اُذِنَ لَهُمْ بِدُخُوْلِ الْجَنَّةِ ، فَوَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ ﷺ بِيَدِهٖ، لَاَحَدُهُمْ بِمَسْكَنِهٖ فِي الْجَنَّةِ ، اَدَلُّ بِمَنْزِلِهٖ كَانَ فِي الدُّنْيَا ، وَقَالَ

يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا اَبُو الْمُتَوَكِّلِ،

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایمان دار لوگ دوزخ سے نجات پا کر نکل آئیں گے تو بہشت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لیے جائیں گے اور دنیا میں جو ظلم انہوں نے ایک دوسرے پر کیا تھا آپس میں اس کا بدلہ چکائیں گے۔ جب وہ پاک اور ظلم کے گناہ سے صاف ہو جائیں گے تو ان کو بہشت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی۔ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے ہر شخص کو بہشت میں اپنی جائے سکونت دنیا میں اس کے مکان سے بڑھ کر معلوم رہے گی۔

وضاحت:

اس روایت میں پہلے مرحلہ میں اہل ایمان کے دوزخ سے نجات پانے کا ذکر ہے۔ جب وہ جنت کی طرف بڑھنا چاہیں گے تو ایک رکاوٹ اور سامنے ہوگی۔ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل ہوگا جب وہ اس کو عبور کرنا چاہیں گے تو ان کو روک لیا جائے گا اور حکم دیا جائے گا کہ وہ اس ظلم کا قصاص ایک دوسرے کو دیں جو انہوں نے دنیا میں آپس میں ڈھایا۔ اس طرح جب ان کا دامن ہر طرح کے ظلم و زیادتی اور گناہ وغیرہ سے صاف ہو جائے گا تو اگلے مرحلہ میں ان کو جنت میں داخلہ کی اجازت ملے گی۔ جنت میں ہر شخص کو اپنی قیام گاہ اس سے زیادہ وضاحت سے معلوم ہوگی جتنا وہ دنیا میں اپنے مکان کو پہچانتا ہے۔

اس روایت میں مومنین کا لفظ عام استعمال ہوا ہے لیکن روایات سے یہ متعین نہیں ہوتا کہ یہ کون سے اہل ایمان ہیں۔ اگر تو ہر مومن کو دوزخ میں ڈال کر پہلے تپایا جانا ہے تو غور کیجیے اس نشتر کی زد سے کون بچے گا۔ اگر آپ لفظ مومنین سے کچھ خاص لوگ مراد لیں تو قرینہ اس بات کا ہو سکتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں بڑے جرائم کے مرتکب ہوئے ۔ ایسے لوگوں کے ذاتی گناہ تو دوزخ کی آگ میں جلا کر ختم کر دیے جائیں گے لیکن بندوں کے حقوق سے متعلق گناہوں کے قصاص لینے کی خاطر ان کو روک لیا جائے گا۔ چنانچہ جب وہ اپنے معاملات کو نپٹا لیں گے تب ان کو جنت میں داخلہ کا اذن ملے گا۔

اگر صورت حال یہی ہے تو اس پر کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اول تو پورا قرآن پڑھ جائیے اس میں ان لوگوں کے لیے جنت کا ذکر ملے گا جن کے نیکی کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ اور ان لوگوں کو جہنم کے حوالہ کیے

جانے کا ذکر ہے جن کے نیکی کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ قرآن ایسے لوگوں کے ذکر سے بالکل خالی ہے جن کو پہلے جہنم میں ڈال کر تپایا جائے گا اور جب ان کی برائیاں بھسم ہو جائیں گی تو ان کو دوزخ سے جنت میں منتقل کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں یہود کے ایک دعویٰ کا قرآن نے ضرور ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ان کو جہنم کی آگ بس چند دن تکلیف پہنچائے گی۔ اس کے بعد وہ جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔ قرآن نے اس عقیدہ کو دو ٹوک انداز میں رد کیا ہے۔ اس کو بے پر کی اڑائی ہوئی خبر قرار دیا ہے اور پوچھا ہے کہ اس بارے میں خدا نے تم سے کوئی خصوصی عہد باندھا ہے جس کی خلاف ورزی وہ نہیں کرے گا۔ اگر یہ عقیدہ یہود کے لیے بے بنیاد تھا تو دوسرے لوگوں کے لیے کیوں کر درست ٹھہرے گا۔ اللہ کے قوانین مختلف قوموں کے لیے نہیں بدلتے۔

دوم، قیامت کے روز جو میزان عدل قائم ہوگی اس میں ہر شخص کے افعال و اعمال کو تول کر معلوم کر لیا جائے گا کہ ان میں حق کتنا تھا اور باطل کتنا۔ اسی حساب کتاب کے نتیجہ میں لوگوں کے انجام کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اہل ایمان اور کفار دونوں کے لیے ایک ہی میزان ہوگی۔ کسی کے لیے الگ میزان نصب نہیں کی جائے گی۔

سوم، جس پل کا ذکر کیا گیا ہے وہ معروف پل صراط نہیں ہو سکتا۔ اس کا محل وقوع دوزخ کے اوپر ہوگا جبکہ یہ پل دوزخ اور جنت کے درمیان ہے۔ روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ پل کس چیز کو عبور کرنے کے لیے بنایا جائے گا۔

ہمارے نزدیک احوال غیب کے یہ تمام واقعات جب تک قرآن سے ثابت نہ ہوں یا ان کے لیے اشارات اس میں نہ پائے جاتے ہوں تو ان کو روایات کی مدد سے ثابت کرنا درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲۔ باب: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ

باب: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ سن لو ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے

۲۔ حَدَّثَنَا مُوسٰى بْنُ اِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ اَخْبَرَنِي قَتَادَةُ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ الْمَازِنِيِّ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا اَمْشِي مَعَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا آخِذٌ بِيَدِهِ، اِذْ عَرَضَ رَجُلٌ فَقَالَ: كَيْفَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّجْوَىٰ، فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَيَسْتُرُهُ فَيَقُولُ أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا، فَيَقُولُ نَعَمْ أَيْ رَبِّ، حَتَّى إِذَا قَرَّرَهُ بِذُنُوبِهِ وَرَأَى فِي نَفْسِهِ أَنَّهُ هَلَكَ قَالَ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا، وَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ، فَيُعْطَى كِتَابَ حَسَنَاتِهِ وَأَمَّا الْكَافِرُ وَالْمُنَافِقُونَ فَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِينَ۔

ترجمہ: صفوان بن محرز مازنی کہتے ہیں کہ ایک بار میں عبداللہ ابن عمرؓ کا ہاتھ تھامے جا رہا تھا کہ ایک شخص سامنے سے آیا۔ کہنے لگا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کیا سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے سرگوشی کرے گا۔ ابن عمرؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے نزدیک بلا لے گا اور اپنا پردہ عزت اس پر ڈال دے گا اور اس کو چھپا لے گا۔ پھر پوچھے گا تجھ کو فلاں گناہ معلوم ہے۔ جب سب گناہوں کا اس سے اقرار کرا لے گا اور مومن یہ سمجھے گا کہ اب وہ تباہ ہو چکا اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے گناہ چھپائے رکھے اور آج تیرے لیے ان کو بخش دیتا ہوں۔ پھر نیکیوں کا ریکارڈ اس کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ لیکن کافر اور منافق پر تو کھلم کھلا گواہ بولیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا، سن رکھو، ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔

وضاحت:

انسان بے حد کمزور مخلوق ہے۔ وہ شیطان کے ورغلانے سے گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے لیکن ایک بندہ مومن اور کافر کے رویہ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مومن اپنے گناہ پر شرمسار ہو کر اپنی اصلاح کے لیے سرگرم ہو جاتا ہے جبکہ کافر و منافق اپنے رویہ پر جاری رہتے ہیں۔ بلند بانگ دعوے کر کے اور جھوٹ بول کر لوگوں کی نظروں میں اپنا وقار قائم کرنے کی کوششوں میں لگ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مومن کے رویہ کو، اس کے گناہ کرنے کے باوجود پسند کرتا ہے۔ وہ اس کے عیب کی پردہ پوشی کرتا ہے، دنیا میں اس کی عزت قائم رکھتا ہے۔

قیامت کے روز اس کی رحمت پورے جوبن پر ہوگی۔ گناہ گار بندہ مومن کو خدا کی رحمت گھیر لے گی۔ اللہ تعالیٰ بندے کے مختلف گناہوں کا ذکر کرے گا اور وہ ہر گناہ کا اعتراف کرتا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تمہارے گناہوں پر پردہ ڈالے رکھا اور آج میں ان کو کالعدم کرتا ہوں۔ اس طرح مومن کی صرف نیکیاں ہی ریکارڈ میں رہ جائیں گی اور وہ ایک کامیاب و کامران انسان کی حیثیت سے جنت میں داخل ہو گا۔ اس کے برعکس کافر و منافق کا معاملہ جھوٹ پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کو خدا کی پروا نہیں ہوتی۔ وہ برملا اس کی حکم عدولی کرتا ہے۔ دنیا میں اس کے گناہوں کا راز فاش ہوتا ہے۔ اس لیے لوگ اس کے کرتوتوں سے واقف ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے روز ایسا آدمی جب جھوٹ موٹ اپنی صفائی میں بولنا چاہے گا تو اس کے جاننے والے اور اس کے ظلم سے متاثر ہونیوالے لوگ چاروں طرف سے بول پڑیں گے کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو۔ فی الواقع اللہ تعالیٰ اس آدمی پر لعنت کا فیصلہ فرما دے گا۔

۳۔باب: لَا يَظْلِمُ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ وَلَا يُسْلِمُهُ

باب: مسلمان مسلمان پر ظلم نہ کرے اور نہ کسی کو ظلم کرنے دے

۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَالِمًا أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ، كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو چھوڑے کہ اس پر کوئی ظلم کرے اور جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں سرگرم رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگے گا۔ اور جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی کوئی ایک تکلیف بھی دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی آفات میں سے کوئی آفت دور کرے گا۔ اور جو کوئی کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ستر پوشی کرے گا۔

وضاحت:

یہ بہت ہی پاکیزہ حدیث ہے اور آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

اگر آپ اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی ضرورت پوری کرے گا۔ اور جب آپ کی ضرورت پوری کرنے میں اللہ تعالیٰ سرگرم ہو تو پھر آپ کو اور کیا چاہیے۔ آپ کسی بھائی کی تکلیف دور کرنے کی سعی کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی آفت دور فرمائے گا۔ اور جو آفت دور ہوگی وہ دنیا کی آفت نہیں بلکہ فرمایا کہ قیامت کی آفات میں سے کوئی آفت دور کر دی جائے گی اور اسی طرح جو کسی کی ستر پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ستر پوشی قیامت کے دن فرمائے گا۔ گویا بندہ مومن اپنے بھائی کے لیے جو مدد اور تعاون مہیا کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے معاملہ میں وہی رویہ اختیار فرمائے گا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے معیار پر اور آخرت میں ہوگا۔

دوسروں کی ستر پوشی میں اصل چیز یہ ہے کہ آدمی کے سامنے کوئی غلط بات کسی کی آئے تو حتی الوسع اس کو اپنے تک محدود رکھے اور اس کا اشتہار دینے کی کوشش نہ کرے۔ یہ چیز اس کے منافی نہیں ہے کہ آپ اس کو علیحدگی میں سمجھا دیں۔ اور اگر آپ اس کو سمجھا نہیں سکتے تو چھوڑ دیں اور ادھر ادھر سرگوشی نہ کریں۔ ستر پوشی کا تعلق پبلک سے ہے۔ البتہ ایک شکل اس سے مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ کسی شخص سے متعلق اگر گواہی دینی ہے تو گواہی آپ کو ٹھیک ٹھیک دینی ہوگی کیونکہ وہ معاشرہ کا حق ہے اور اس کو آپ چھپا نہیں سکتے۔ قانون سے بچانے کی کوشش کرنا جائز نہیں ہے۔

اس حدیث کا ایک راوی ابن شہاب ہے۔ ابن شہاب کا اعتبار ایسی سچی احادیث روایت کرنے پر ہی قائم ہوا ہے۔ اگر وہ ایک ہی طرز کی شیعی فکر روایات بیان کرتا تو مطعون ہو جاتا۔ اس کی صحیح احادیث کی بنا پر ہمارے اکابر اس کے جال میں پھنسے۔

۴۔باب: اَعِنْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا

باب: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم

۴۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِی شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا ھُشَیْمٌ اَخْبَرَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ اَبِی بَکْرِبْنِ اَنَسٍ وَ حُمَیْدُ الطَّوِیْلُ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقُوْلُ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اُنْصُر اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْمَظْلُوْمًا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔

۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اُنْصُر اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَا نَنْصُرُہٗ مَظْلُوْمًا فَکَیْفَ نَنْصُرُہٗ ظَالِمًا قَالَ تَاْخُذُ فَوْقَ یَدَیْہِ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ مظلوم ہو تو ہم مدد کریں لیکن ہم اس صورت میں کیسے مدد کر سکتے ہیں جب کہ وہ ظالم ہو۔ آپ نے جواب دیا اس کا ہاتھ پکڑو کہ ظلم نہ کرے۔

وضاحت:

یہ حدیث بھی قیمتی ذخیرہ ہے اور یہی چیز ہے جس کو حکمت کہتے ہیں۔

ھذا ننصرہ، یہ عربیت کا خاص اسلوب ہے۔ یعنی یہ بات تو ٹھیک ہے کہ مظلوم ہو تو مدد کریں لیکن ظالم کی مدد کیسے کریں۔ آپ نے فرمایا بہت آسان ہے اس کا ہاتھ پکڑو کہ ظلم نہ کرے۔ یہ ظلم سے روکنا ہی اس کی مدد ہے۔

اوپر کی یہ دونوں روایتیں اصل میں ایک ہی روایت ہے اور دونوں حضرت انسؓ سے ہیں۔ لیکن پہلی روایت قطرہ ہے تو دوسری روایت علم کا دریا ہے۔ پہلی روایت کے الفاظ سے شدید قومی عصبیت کا مضمون بھی نکالا جا سکتا ہے لیکن اس دوسری روایت کے بعد اس کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہ توجہ میں نے اس لیے دلادی ہے کہ راویوں میں بیان کا بہت فرق ہوتا ہے ایک راوی نے صرف **انصر اخاک ظالما او مظلوما** نقل کیا ہے اور باقی بات کاٹ دی ہے۔ حضرت انسؓ نے جب بیان کیا ہوگا تو پوری بات بیان کی ہوگی۔ اتنی اعلیٰ بات وہ کیسے چھوڑ سکتے ہیں جب کہ ان معاملات میں وہ بہت قابل فخر آدمی ہیں۔ معلوم ہوا کہ بعد کے کسی راوی نے

قطع برید کردی ہے۔ روایات میں یہ مشکل بہت ہے یہ میرا تجربہ ہے۔ یہ چیز حدیث کے طالب علم کے پیش نظر ہونی چاہیے اور تمام روایات کو سامنے رکھ کر حدیث پر غور کرنا چاہیے۔

۵۔ باب نَصْرِ الْمَظْلُومِ

باب: مظلوم کی مدد کے بارے میں

۶۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الاشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ سُوَيْدٍ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَمَرَنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِسَبْعٍ ، وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ ، فَذَكَرَ عِيَادَةَ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعَ الْجَنَائِزِ ، وَتَشْمِيتَ الْعَاطِسِ ، وَرَدَّ السَّلَامِ ، وَنَصْرَ الْمَظْلُومِ ، وَاِجَابَةَ الدَّاعِي وَاِبْرَارَ الْمُقْسِمِ۔

ترجمہ: اشعث بن سلیم راوی ہیں کہ میں نے براء بن عازب سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا اور سات سے روکا۔ پھر انہوں نے ان باتوں کا ذکر کیا: مریض کی عیادت، جنازے کے ساتھ جانا، چھینکنے والے کی تشمیت، اور سلام کا جواب دینا، مظلوم کی مدد، پکارنے والے کی آواز پر لبیک کہنا اور کوئی قسم کھا بیٹھا ہو تو اس کی قسم پوری کرا دینا۔

وضاحت:

اتباع الجنائز کا حق یہ ہے کہ آپ جنازے کے ساتھ چلیں۔ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ بہت مصروف ہوتے ہیں لیکن کام چھوڑ کر چند قدم ضرور جنازے کے ساتھ جاتے ہیں۔ چھینکنے والے کی تشمیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ کہے الحمد للہ تو آپ کہیں یرحمک اللہ۔ ایک سوال یہ ہے کہ وہ الحمد للہ نہیں کہتا تب کیا کیا جائے گا۔ میرا فتویٰ یہ ہے کہ آپ بھی نہ کہیں۔ جب وہ بدقسمت آدمی الحمد للہ نہیں کہتا تو ہم خواہ مخواہ کو اس کے پیچھے یرحمک اللہ کیوں لیے پھریں اور سلام کا جواب دینا لازم ہے۔ اسی طرح مظلوم کی مدد کرنا اور پکارنے والے کی پکار پر لبیک کہنا ضروری ہے۔ اجابۃ الداعی سے مراد کھانے کی دعوت نہیں بلکہ یہ ہے کہ مدد کے لیے کوئی پکارے تو آپ اس کا جواب دیں۔ آپ اگر کھانے کی دعوت سمجھتے ہیں تو الگ سے اس کی تاکید ہے لیکن اجابت الداعی

الگ چیز ہے۔ اور آخر میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھے تو اس کی قسم پوری کرا دینا۔ ابرار کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ اپنی قسم سے سعادت کے ساتھ عہدہ برآ ہو۔ اگر اس کی قسم جائز اور کسی نیک مقصد کے لیے ہے تو آپ اس کی مدد کریں اور اگر کسی غلط مقصد کے لیے ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنی قسم توڑ دے اور بعض حالتوں میں کفارہ دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرہ میں معاہدات اور تمدن میں قسم کا بڑا مقام ہے اور عدالتوں میں بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو ناجائز قسم کے توڑنے پر کفارہ بھی ہونا چاہیے کہ آدمی اس کی اہمیت کو محسوس کرے۔

۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ اَبِي بُرْدَةَ عَنْ اَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا، وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهِ۔

حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے عمارت کہ اس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو تھامے ہوئے ہوتی ہے اور آپ نے انگلیاں ایک دوسری میں ڈال لیں۔

وضاحت:

یہ روایت بھی بہت اعلیٰ تعلیم پر مبنی ہے۔ جس طرح عمارت میں ایک اینٹ دوسری کی پشت پناہ ہوتی ہے اسی طرح معاشرہ میں ہر فرد کو یہی سمجھنا چاہیے کہ وہ اس کو جوڑنے کے لیے ہے۔ وہ اس کو اکھاڑنے کے درپے نہ ہو۔ آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر اس عمل کی قوت کو سمجھایا۔

باب: الانْتِصَارِ مِنَ الظَّالِمِ، لِقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: لَايُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ، وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا، وَالَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ، قَالَ اِبْرَاهِيمُ كَانُوايَكْرَهُونَ اَنْ يُسْتَذَلُّوا، فَاِذَا قَدَرُوا عَفَوْا۔

یہ باب ظالم سے انتقام کے بارے میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی برائی کے ذکر کو پسند نہیں کرتا مگر اس شخص کے لیے جس پر ظلم کیا گیا اور اللہ سمیع و علیم ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور وہ لوگ کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو مناسب انتقام لیتے ہیں۔'' ابراہیم کہتے ہیں کہ لوگ اس بات کو برا سمجھتے تھے کہ وہ ذلیل کیے جائیں تو جب قدرت پالیتے تو درگزر کرتے تھے۔

وضاحت:

پہلا حوالہ سورہ نساء کا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی برائی کے ذکر کو پسند نہیں فرماتا۔ البتہ اگر کوئی مظلوم ہو وہ فریاد کر سکتا ہے اور جس نے اس پر ظلم کیا ہے اس کے متعلق مظلوم کو کہنے کا حق ہے۔ دوسرا حوالہ سورہ شوریٰ کا ہے۔ اس میں اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب ان پر ظلم و تعدی ہوتی ہے تو وہ اس کا مناسب بدلہ اور انتقام لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ہر چھوٹی بڑی بات کو بہانہ بنا کر انتقام لینے کے لیے اٹھ کھڑے نہیں ہوتے بلکہ وہ بدلہ لیتے ہیں تو مخالف کی یعنی کھلی ہوئی زیادتی کا۔ پھر بدلہ لیتے بھی ہیں تو اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دیتے بلکہ اتنی کارروائی کرتے ہیں جو مخالف کی برائی کے ہم وزن ہو۔

ابراہیم نخعی کا جو قول امام صاحب نے نقل کیا ہے اس کو ثابت کرنے کے لیے یہ آیات دی ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ لوگ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ ذلیل کیے جائیں۔ ہر غیرت مند انسان کو ایسا ہونا چاہیے کہ ذلت پر کبھی راضی نہ ہو۔ یہ کوئی خاکساری نہیں ہے اور نہ یہ تقویٰ ہے۔ ذلت کو ٹھکرا دینا چاہیے البتہ یہ ہے کہ قدرت رکھتے ہوئے بھی ظلم نہیں کرنا چاہیے۔ اور جب انتقام لینے پر آدمی قادر ہو تو درگزر کرے۔ یہ بات بھی بڑی لاجواب اور اعلیٰ اخلاق سے تعلق رکھتی ہے۔

٧۔ باب: عَفْوِ الْمَظْلُومِ ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى: اِنْ تُبْدُوا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوهُ اَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوْءٍ، فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا، وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا، فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهُ لا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ ، وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَاُولٰئِكَ مَا عَلَيْهِم مِنْ سَبِيلٍ ، اِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ ، وَيَبْغُونَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ، وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ وَتَرَى الظَّالِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ

يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِنْ سَبِيلٍ۔

باب اس بارے میں کہ جس پر ظلم کیا گیا ہے وہ ظلم کو معاف کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اگر تم کھلم کھلا نیکی کرو یا چھپا کر، یا برائی کو معاف کرو تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کرنے والا قدرت والا ہے''۔ '' اور کسی برائی کا بدلہ اس کے برابر کے عمل سے ہے۔ پس جس نے درگزر کی اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جنہوں نے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیا تو ان کے اوپر کوئی الزام نہیں ہے۔ الزام ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں بغیر کسی حق کے سرکشی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو بیشک یہ عزیمت کے اوصاف میں سے ہے۔'''' اور تو ظالموں کو دیکھے گا کہ جب وہ عذاب سے دوچار ہوں گے تو پوچھیں گے کہ اب دنیا کی طرف لوٹ جانے کی کوئی صورت ہے؟''

وضاحت:

ظلم کو معاف کرنا بڑی ہمت کا کام ہے۔ ذلت پر راضی ہونا الگ چیز ہے اور یہ الگ چیز ہے۔ اگر کسی شخص نے زیادتی کی ہے اور آپ اس سے انتقام لے سکتے ہیں لیکن نہیں لیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں تو یہ بڑی شرافت اور بہادری کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

اس باب میں صرف چند آیات کا حوالہ ہے اور اس کے تحت کوئی روایت نہیں ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

درس مؤطا امام مالکؒ

کتاب النکاح

باب: مَاجَاءَ فِي اَلْخِطْبَةِ

منگنی کے بارے میں کیا احکام ہیں

۱۔ وَحدّثنی یَحْیٰ عَنْ مَالِکٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَبَّان عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ لَا يَخْطُبُ أَحَدُ كُمْ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ

ترجمہ: حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ روا نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر چڑھائی کر کے منگنی کرے۔

وضاحت:

لایخطب احد کم نہی کا صیغہ ہے اور خبر کے اسلوب میں ہے، خبر کے اسلوب میں جب نہی آتی ہے تو اس میں زیادہ شدت ہوتی ہے اس لیے کہ اس میں تلقین، موعظت اور نصیحت کا بھی انداز ہوتا ہے یعنی یہ زیبا نہیں ہے۔ اگلی روایت سے مزید وضاحت ہوگی۔

۲۔ وَحدّثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَخْطُبُ أَحَدُ كُمْ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ. قَالَ مَالِكٌ وَتَفْسِيرُ قَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّم فِيمَا نُرى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ لَا يَخْطُبُ أَحَدُ كُمْ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ أَنْ يَخْطُبَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فَتَرْكَنَ إِلَيْهِ وَيَتَّفِقَانِ عَلَى صَدَاقٍ وَاحِدٍ مَعْلُومٍ وَقَدْ تَرَاضَيَا فَهِيَ تَشْتَرِطُ عَلَيْهِ لِنَفْسِهَا فَتِلْكَ الَّتِي نَهَى نَهَى أَنْ يَخْطُبَهَا الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ وَلَمْ يَعْنِ بِذٰلِكَ إِذَا خَطَبَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فَلَمْ يُوَافِقْهَا أَمْرُهُ وَلَمْ تَرْكَنْ إِلَيْهِ أَنْ لَا يَخْطُبَهَا أَحَدٌ فَهٰذَا بَابُ فَسَادٍ يَدْخُلُ عَلَى النَّاسِ ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ زیبا نہیں کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے اوپر چڑھائی کر کے منگنی پر منگنی کرے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جو قول ہے کہ تم میں کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی کے اوپر منگنی نہ کرے، ہمارے خیال میں، اور واللہ اعلم، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کے لیے منگنی نہ کرے (پیام نہ دے) جب کہ وہ ایک مرد کی طرف مائل ہو اور وہ دونوں ایک مہر معین پر متفق ہو چکے ہوں اور راضی ہو چکے ہوں اور وہ عورت اپنے نفس کے لیے اپنے اوپر اس کو شرط ٹھرا لے تو یہ چیز ہے کہ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منگنی پر منگنی کرنے سے روکا ہے اور اس سے مراد یہ نہیں کہ جب کسی شخص نے کسی عورت کو پیام دیا ہو اور معاملہ طے نہ پایا ہو اور نہ وہ عورت اس کی طرف مائل ہوئی ہو تو کوئی اور شخص اس کو پیغام نکاح نہ دے، ایسی صورت میں فساد کا دروازہ لوگوں پر کھل جائے گا۔

وضاحت:

خلاصہ یہ ہے کہ جب ایک مرد اور عورت کے درمیان بات طے ہو چکی اور معاملہ آگے تک پہنچ چکا ہے تب یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص اس کو توڑنے کی کوشش کرے کہ میں مہر زیادہ دوں گا یا فلاں کو ملازمت دلواؤں گا یا اس طرح کی کوئی رشوت دے۔ اس زمانے میں ایسا بہت ہوتا ہے، اسی چیز سے روکا ہے۔ اور اگر صورت حال یہ ہو کہ ان کا معاملہ ٹھیک نہیں ہوا اور عورت مائل بھی نہیں ہے تو یہ نہیں ہے کہ اس سے کوئی شکوہ نہ کرے اس لیے کہ اگر یہ ہوگا تو دروازہ ایک فساد کا کھل سکتا ہے۔ فرض کر لیجیے کہ ایک شخص منگنی کر رہا ہے اور ہے وہ کوئی فلم اسٹار

اللہ و رسول کا منکر ہے تو ایک باحمیت مسلمان کا وہ پسندیدہ تو نہیں ہو سکتا۔ تو اگر معاشرتی اور اخلاقی مصلحت یا مذہبی مسلک کا تقاضا ہو تب تو اس کے مقابلے میں منگنی کا پیام دیا جا سکتا ہے اور کوئی شخص ایسا کرے گا تو نیکی ہوگی ان شاء اللہ، لیکن اگر دونوں اچھے خاصے مسلمان ہیں تو خواہ مخواہ کو اپنے بھائی کے کام میں رخنہ نہیں ڈالنا چاہیے۔

۳۔ وَحدّثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أبِیهِ أنَّهُ کَانَ یَقُولُ فِی قَوْلِ اللّٰه تَبَارَکَ وَتَعَالَی وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أوْ أکْنَنْتُمْ فِی أنْفُسِکُمْ عَلِمَ اللّٰهُ أنَّکُمْ سَتَذْکُرُونَهُنَّ وَلٰکِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إلَّا أنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا أنْ یَقُولَ الرَّجُلُ لِلْمَرْأةِ وَهِیَ فِی عِدَّتِهَا مِنْ وَفَاةِ زَوْجِهَا إنَّکِ عَلَیَّ لَکَرِیمَةٌ وَإنِّی فِیکِ لَرَاغِبٌ وَإنَّ اللّٰهَ لَسَائِقٌ إلَیْکِ خَیْرًا وَرِزْقًا وَنَحْوَ هٰذَا مِنَ الْقَوْلِ۔

ترجمہ: عبدالرحمٰن اپنے باپ قاسم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول: ’’اس بات میں بھی جو تم ان عورتوں سے پیغام نکاح کے قسم کی بطریق کنایہ و اشارہ کہو یا اپنے دل میں رکھو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم ان سے ذکر کرو گے، لیکن چپکے سے ان کے ساتھ (نکاح کا) قول و قرار نہ کر بیٹھو۔ ہاں! دستور کے مطابق کوئی بات کہہ سکتے ہو‘‘ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ آدمی اس عورت سے جو اپنے شوہر کی وفات کی وجہ سے عدت میں ہے یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ میری نگاہوں میں بڑی عزیز ہیں اور میں آپ کی طرف راغب ہوں اور اللہ تعالیٰ تمہاری طرف بہتری اور رزق لانے والا ہے یا اس طرح کی کوئی اور بات وہ کہہ سکتا ہے۔

وضاحت:

قرآن مجید کی جس آیت کا حوالہ ہے اس میں یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے تو عدت کے دوران کسی مرد کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ منگنی کے لیے پینگیں بڑھائے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرافت اور اپنے بھائی کے ساتھ صحیح تعلقات کے منافی ہے۔ ہمدردی ہونی چاہیے۔ بڑھ کر منگنی وغیرہ کی بات نہیں شروع کرنی چاہیے یہ قرآن مجید میں ہے۔ دستور کے مطابق بات کی انہوں نے توجیہ یہ کی ہے وہ عورت سے کہہ سکتا ہے کہ تم میری

نگاہوں میں بڑی عزیز ہو البتہ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ’’ وانی فیک لراغب‘‘ یہ تو صریح پیغام ہے۔ وہ اس کو معروف کے تحت لے رہے ہیں۔ میرے نزدیک یہ غیر معروف ہے اور ٹھیک نہیں ہے اور یہ کہنا کہ ’’ان اللہ لسائق الیک خیراً ورزقا‘‘ (اللہ تعالیٰ آپ کی طرف خیر اور رزق لے آنے والا ہے) تو یہ دوسرا قول بھی کچھ ناپسندیدہ سا ہی ہے، یہ اپنی امارت کی ایک دھونس ہوگی بہرحال قول معروف کسی عاقل کے لیے مشکل نہیں ہے اور بے وقوف کا کوئی علاج نہیں ہے۔ عاقل صرف ہمدردی کرے گا اور کسی قسم کا اظہار نہیں کرے گا۔

باب: اِسْتِئْذَانُ الْبِکْرِ وَالْأیِّمِ فِی أنْفُسِهِمَا

کنواری اور شوہر آشنا سے اجازت کے بارے میں ضابطہ کیا ہے

’’ایم ‘‘عربی میں یہ لفظ مذکر و مؤنث اور بکر و ثیب سب کے لیے آتا ہے یہاں مراد ہے وہ لڑکی کہ جس کا شوہر نہ ہو، انتقال کر چکا ہو یا کوئی اور حادثہ پیش آ گیا یا طلاق یافتہ ہو۔

۴۔ وَحدّثنی مَالِکٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْفَضْلِ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ أنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم قَالَ الْأیِّمُ أحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِیِّهَا وَالْبِکْرُ تُسْتَأذَنُ فِی نَفْسِهَا

ترجمہ: جبیر بن مطعم عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شوہر عورت اپنی ذات کے بارے میں فیصلہ کرنے کی زیادہ حقدار ہے اپنے ولی کے مقابل میں۔ اور جو کنواری ہے اس سے اس کے بارے میں اجازت لی جائے گی اور اس کی خاموشی بھی اجازت سمجھی جائے گی۔

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ جو عورت شوہر آشنا رہی ہے تو نکاح کے بارے میں وہ زیادہ حقدار ہے، جو چاہے فیصلہ کر سکتی ہے۔ احناف اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ شوہر آشنا اپنے بارے میں اپنی رائے کا اظہار صریح الفاظ میں کرے۔ اس کا بولنا ضروری ہے اور اس کے مقابل میں بکر کے بارے میں یہ ہے کہ اس کی خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی لیکن یہ غیر ضروری سی بات ہے۔ من ولیھا کے الفاظ اس مطلب کے خلاف جاتے ہیں جو

احناف لیتے ہیں اس لیے کہ ولی کے مقابل میں اس کی (شوہر آشنا) کی رائے زیادہ قابل لحاظ ہوگی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اولیاء صرف اس کے ان معاملات میں دخل دے سکتے ہیں کہ جن معاملات میں خاندان کی وجاہت یا ان کے مذہبی وقار یا ان کی اس طریقہ کی کسی چیز کو صدمہ پہنچ سکتا ہے۔ برادریوں کے قضیے بھی کوئی معمولی تو نہیں ہیں ایمان کی بات یہ ہے کہ معاشرتی زندگی کے جو فرق ہیں وہ بہت مؤثر ہوتے ہیں۔ ایک زمیندار کی لڑکی ایک موچی کے گھر جا کر بالکل ناموزوں ہو جائے گی اس لیے کے بیوی سو طریقہ سے کام میں شریک ہوتی ہے۔

میرے نزدیک یہ ہے کہ جہاں اخلاقی یا مذہبی اقدار کے مجروح ہونے کا ڈر ہو وہاں تو اولیاء دخل دیں گے ورنہ لڑکی جہاں فیصلہ کرے گی اس میں اس کے رائے کو اہمیت حاصل ہوگی البتہ بکر کے بارے میں اس کے اولیاء کو اجازت لینی پڑے گی اور اس کی خاموشی بھی رضا سمجھی جائے گی۔ یہ طریقہ ہے۔ ہمارے ہاں یہ ہوتا ہے کہ باپ بھائی جاتے ہیں لڑکی کو خبر ہوتی ہے لیکن وہ خاموش رہتی ہے۔ سارے مراحل طے ہوتے ہیں اور اس کی خاموشی اس کی رضا ہے لیکن اگر وہ بول پڑے تب کیا ہوگا؟ فرض کر لیجیے کہ وہ کہے نہیں! یہ معرکہ ہے۔ یہ سب لوگ یہ رائے رکھتے ہیں کہ اس معاملہ میں ان کو جبر کا اختیار ہے۔ یہ بات غلط ہے۔ خنساء والی روایت میں ہے کہ وہ باکرہ تھیں اور انہوں نے انکار کیا تھا لیکن ان کے اولیاء نے شادی کر دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ گیا۔ آپ نے اختیار دے دیا کہ تم چاہو تو رہو ورنہ فسخ کر دو۔ لڑکی اگر خاموشی کے ساتھ راضی ہے تب تو ٹھیک ہے اس طرح شادیاں ہوتی ہیں لیکن اگر اس نے اپنی رائے ظاہر کر دی تو اس کی رائے کو اہمیت دی جائے گی۔ پھر اولیاء کو حق نہیں ہے۔ یہ بات یہاں مخفی ہے کہ اگر وہ زبان سے کہہ دے تو پھر اس کے اولیاء کی بات نہیں چلے گی۔ اگر اولیاء نکاح کر دیں گے تو قاضی کے ہاں جا کر نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔

ولی تین طرح کے ہوتے ہیں ایک تو اولیاء اقرب ہیں، باپ بھائی۔ دوسرے اولیاء میں چچا، چچازاد وغیرہ اور تیسرا ولی ہے حکومت۔ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا، نکاح کی بات چیت بہر حال اولیاء ہی سے ہوگی۔ اقرب اولیاء موجود ہیں تب تو باپ بھائی، اگر وہ موجود نہیں تو دوسرے درجہ کے اولیاء ہو سکتے ہیں، اگر فرض کر لیجیے کہ ان کا رویہ قابل اعتماد نہیں ہے تو لڑکی مقدمہ قاضی کے ہاں لے جا سکتی ہے۔ ان تین اولیاء کو یہ ہدایت دی جا رہی ہے کہ ثیب کے بارے میں اس کی رائے لی جائے گی اور بکر کے بارے میں اس کی خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی۔ لیکن اگر وہ انکار کرتی ہے تو اولیاء کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اسے مجبور کریں۔ میری رائے یہی ہے۔

۵۔ وَحدثنی عَنْ مَالِکٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ إِلَّا بِإِذْنِ وَلِيِّهَا أَوْ ذِي الرَّأْيِ مِنْ أَهْلِهَا أَوِ السُّلْطَانِ.

ترجمہ: مالک کہتے ہیں کہ ان کو سعید بن المسیب سے یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ عمر بن الخطاب کا فتویٰ ہے کہ عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا ہے مگر اس کے ولی کے اذن سے یا اس کے خاندان میں سے کسی بزرگ کی رائے سے یا حکمران حکومت کے قاضی کی رائے سے (سلطان کا لفظ ہے یعنی سلطان یا اس نمائندہ)۔

وضاحت:

یہ لاجواب بات ہے اولیاء کو چاہیے کہ یہ پابندی کریں۔ اصل اولیاء کے اذن کے بغیر کوئی نکاح نہیں ہے۔ اگر کورٹ شپ پر نکاح کر دیجئے تو یہ شرفاء کا معاملہ نہیں ہے، نکاح کا معاملہ بہر حال اولیاء سے متعلق ہے۔ خاندان کا بزرگ، یہ میں نے اس لیے لیا ہے کہ یہ بات تو ہوتی ہے کہ قریبی اولیاء موجود نہیں ہیں تو خاندان کا بڑا بوڑھا ولی ہوگا، ذی الرأی من اهلها ہوگا اور خاندان میں اس کا اعتبار ہوگا، یا پھر قاضی ہوگا جو سلطان کا نمائندہ ہوگا۔ مطلب یہ کہ بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوگا۔ اس کے بغیر بڑے مفاسد ہیں نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکیاں اپنے معاملات کو سمجھنے کے جتنے بھی مدعی ہوں لیکن قدرت کا جو قانون ہے اس نے بڑوں کی عقل کو راہنما بنایا ہے تو اس کا لحاظ ضروری ہے۔

اب فرض کر لیجیے کہ ولی سے شکایت ہو مثلاً خنساء والی روایت میں ہے کہ لڑکی نے باپ ہی کی شکایت کی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فسخ کر دیا تھا۔ بہر حال قاضی کا فیصلہ ماننا پڑے گا، قاضی جو فیصلہ کرے گا وہ آخری ہوگا۔

۶۔ وَحدثنی عَنْ مَالِکٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَسَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ كَانَا يُنْكِحَانِ بَنَاتِهِمَا الْأَبْكَارَ وَلَا يَسْتَأْمِرَانِهِنَّ. قَالَ مَالِکٌ وَذٰلِکَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي نِكَاحِ الْأَبْكَارِ. قَالَ مَالِکٌ وَلَيْسَ لِلْبِكْرِ جَوَازٌ فِي مَالِهَا حَتَّى تَدْخُلَ بَيْتَهَا وَيُعْرَفَ مِنْ حَالِهَا.

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ اپنی کنواری لڑکیوں کا نکاح کر دیتے تھے اور ان سے رائے نہیں لیتے تھے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک کنواری لڑکیوں کے نکاح کے بارے میں یہی طریقہ ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ کنواری کو اپنے مال میں کوئی دخل نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے گھر میں نہ بسے اور اس کا حال (یعنی کچھ سلیقہ، کچھ ہنر، کچھ عقلمندی) نہ معلوم ہو۔

وضاحت:

اس بات کے سمجھنے میں بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ ہم لوگوں کے ہاں یہ طریقہ تھا، اب معلوم نہیں تہذیب میں کیا کیا تبدیلی آئی ہے، باپ بھائی سب کچھ کرتے رہتے اور لڑکی سے کوئی بات پوچھی نہیں جاتی تھی لیکن یہ سب سمجھتے تھے کہ لڑکیاں راضی ہیں یہ تو نہیں ہوتا تھا کہ ان سے رائے لی جائے لیکن یہ بات ان کی رضا کے خلاف نہیں ہوتی تھی اور اگر ان کی رضا کے خلاف بھی ہو تو ہر لڑکی اپنے گھر کی، اپنے اعزا کی اپنے اولیا کی مجبوریوں کو اور ان کے دائرہ اختیار کو حدود کو جانتی ہے، یہ تو ضروری نہیں کہ ہر چیز اپنی پسند کے مطابق ہو لیکن جو ممکن شکل ہوتی ہے اس پر وہ راضی رہتی ہیں ان کی خاموشی ان کی رضا ہوتی ہے اس لیے اس روایت کا جو تاثر ہے وہ تاثر غلط ہے یعنی وہ تو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ کنواری لڑکیوں سے رائے مشورہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے حالانکہ ہمارے ہاں رائے مشورہ سب کچھ ہوتا ہے کہیں کوئی باپ اپنی گھر والی سے مشورہ کرے گا اور وہ ایک خاص انداز سے پورے گھر میں بات کرتی ہے اور سب سمجھتے ہیں۔ اس میں کوئی باقاعدہ مجلس شوریٰ تو نہیں منعقد ہوتی لیکن بات سمجھی جاتی ہے اس لیے میں اس روایت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

امام مالک کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک کنواری لڑکیوں کے بارے میں یہی طریقہ ہے۔ کنواری لڑکیوں کے بارے میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے تو پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ ان سے مشورہ تو کیا جائے گا لیکن ان کی خاموشی ان کی رضا سمجھی جائے گی۔ وہ تو اس شکل میں بات ہوگی جو میں کہتا ہوں کہ سب کام ہو رہا ہے، لڑکی کے لیے جہیز تیار ہو رہا ہے، شادی کی تاریخ متعین ہو رہی ہے اور وہ خاموش ہے، راضی ہے، یہ ہوتا ہے۔ امام مالک یہ تاثر دے رہے ہیں کہ ان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا اعتراض یہ ہے کہ یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہوتا ہی اسی طریقہ سے ہے۔ اگر امام مالک کا مطلب یہ ہے کہ ان سے اجازت لی جائے گی اور ان کی خاموشی رضا سمجھی جائے گی تب تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر یہ مطلب ہے کہ

ان سے بالا بالا نکاح کر دیا جائے تو میں کہتا ہوں وہ خنساء والا واقعہ ہوگا، لڑکی قاضی کے پاس چلی جائے تو وہ نکاح فسخ کر سکتا ہے اور یہ آپ نہیں کہہ سکتے کہ خنساء والی روایت ضعیف ہے ہوا کرے۔

آخر میں امام مالک نے ایک نکتہ پیدا کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ کنواری کو اس کے مال میں کوئی دخل نہیں ہے جب تک وہ اپنے گھر نہ بسے اور اس کا حال یعنی (کچھ سلیقہ، کچھ ہنر، کچھ عقلمندی) نہ معلوم ہو۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ جب تک اس کا رشد، اس کی عقل بالغ نہ ہو اس کا مال اس کے حوالہ نہ کریں تو کہتے ہیں کہ جب لڑکی کو یہ اختیار نہیں ہے تو فلانے کے نکاح میں تمہیں دے رہے ہیں یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ دلیل دے رہے ہیں لیکن یہ دلیل بالکل غیر متعلق ہے کیونکہ اس معاملہ میں اگر رشد اس کا معلوم ہو جائے تو نکاح سے پہلے ہی اس کے مال کا اس کو حق ہو جائے گا اور اگر رشد نہ معلوم ہو تو کئی بچوں کی ماں بننے کے بعد بھی نہیں ہوگا۔ نکاح میں اس سے مشورہ ضروری ہے۔ اس کی خاموشی اس کی رضا سمجھی جائے گی۔ ہاں اگر زبان سے کہہ دے تب اس کو اختیار ملنا چاہیے۔

۷۔ وَحدّثنی عَنْ مالِکٍ اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَسَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ وَسُلَیْمانَ بْنَ یَسارٍ کَانُوا یقُولُونَ فی الْبِکْرِ یُزَوِّجُهَا اَبُوهَا بِغَیْرِ اِذْنِهَا اِنَّ ذٰلِکَ لَازِمٌ لَهَا۔

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار کہتے تھے کہ کنواری لڑکی کا باپ اس کے اذن کے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے اور یہ نکاح اس کے لیے لازم ہو جائے گا۔

وضاحت:

یہ تینوں حضرات فقیہہ ہیں اور ان کا فتویٰ بیان ہوا ہے لیکن یہ فتویٰ اس حدیث کے بالکل خلاف پڑتا ہے جو پہلی روایت میں بیان ہوئی ہے۔ اس روایت کی روشنی میں ان فقہا کے اقوال کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ نکاح لازم نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ راضی ہے تو فبہا اور اگر راضی نہیں ہے تو نکاح فسخ ہو جائے گا چاہے قاضی کے ہاں جا کر فسخ ہو۔

باب :مَاجَاءَ فِي الصَّدَاقِ وَالْحِبَاءِ

۸۔ حدثنی یَحییٰ عَنْ مَالِکٍ عَنْ اَبِی حَازِمِ بْنِ دِینَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم جَاءَ تْهُ امْرَاةٌ فَقَالَتْ یَارَسُولَ اللّٰهِ اِنِّی قَدْوَهَبْتُ نَفْسِی لَکَ فَقَامَتْ قِیَامًا طوِیلاً فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَارَسُولَ اللّٰهِ زَوِّجْنِیهَا اِنْ لَمْ تَکُنْ لَکَ بِهَاحَاجَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم هَلْ عِنْدَکَ مِنْ شَیْءٍ تُصْدِقُهَا اِیَّاهُ فَقَالَ مَاعِنْدِی اِلَّا اِزَارِی هٰذَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم اِنْ اَعْطَیْتَهَا اِیَّا هُ جَلَسْتَ لَا اِزَارَلَکَ فَالْتَمِسْ شَیْئًا فَقَالَ مَا اَجِدُ شَیْئًافَقَالَ الْتَمِسْ وَلَو خَاتَمًا مِنْ حَدِیدٍ فَالْتَمَسَ فَلَمْ یَجِدْ شَیْئًا فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم هَلْ مَعَکَ مِنَ الْقُرْآنِ شیءٌ فَقَالَ نَعَمْ مَعِی سُورَةُ کَذَا وَسُورَةُ کَذَا لِسُوَرٍ سَمَّا هَا فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَدْ اَنْکَحْتُکَهَا بِمَا مَعَکَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

ترجمہ: سہل بن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اس نے کہا کہ یارسول اللہ میں اپنے آپ کو آپ کے حبہ کرتی ہوں۔ پھر وہ بڑی دیر تک کھڑی رہی۔ ایک شخص کھڑا ہوا۔ اس نے کہا یارسول اللہ اس کو آپ میرے نکاح میں دے دیجئے اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس مہر دینے کو کچھ ہے تو اس نے کہا کہ میرے پاس تو بس میری یہ تہہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کو یہ دے بیٹھو گے تو تم بغیر تہمد کے رہ جاؤ گے تو کوئی اور چیز ڈھونڈو۔ اس نے کہا کہ مجھے تو اور کچھ نہیں ملتا۔ آپ نے فرمایا کہ ڈھونڈو اگرچہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی سہی تو اس نے جستجو کی لیکن اس کو کچھ نہیں ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے۔ اس نے کہا کہ فلاں سورہ اور فلاں سورہ یاد ہے اور اس نے چند سورتوں کے نام لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کیا قرآن کی ان سورتوں کی تعلیم کے عوض جو تم کو یاد ہیں۔

'الحباء' کا لغوی معنی عطیہ ہے۔ مہر کے علاوہ عورت کو جو تحفہ دیا جاتا ہے اسے 'حباء' کہتے ہیں

وضاحت:

امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں یہ روایت کتاب النکاح میں لی ہے لیکن وہاں جو باب باندھا ہے وہ ٹھیک ہے۔ 'السلطان ولی' کا باب باندھا ہے۔ صحیح مسلم میں کتاب النکاح میں مہر کے باب میں یہ روایت ہے تو سند کے اعتبار سے ایک بڑی سند تو یہ ہے کہ کوئی روایت صحیحین میں ہو لیکن اس روایت میں کئی چیزیں قابل بحث ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ اس عورت نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حبہ کیا تو اس پر بحث نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے اور قرآن میں سورۂ احزاب میں ہے کہ خالصة لک من دون المومنین تو حبہ کا مسئلہ طے ہو جاتا ہے اور حبہ کا مفہوم وہی ہے کہ جو آپ کی مرضی۔ نہ اس بارے میں مہر کا سوال پیدا ہوتا ہے نہ باری کا اور نہ نان نفقہ میں کسی معیار کا۔ لیکن یہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے کسی اور کے لیے نہیں ہے۔

پھر وہ دیر تک کھڑی رہی، دوسری روایت میں آتا کہ پھر وہ بیٹھ گئی لیکن آپ نے جواب نہیں دیا ایک شخص نے جب یہ دیکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے لیے پسند نہیں فرمار ہے تو اس نے کہا کہ یارسول اللہ اگر آپ کو ضرورت نہیں ہے تو اس کو میرے نکاح میں دے دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تیرے پاس مہر دینے کو کچھ ہے؟ یعنی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے خواہش کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دینے پر راضی ہو گئے بشرطیکہ مہر ہو۔

اس میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت نے اپنے آپ کہ حبہ کیا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مقام ہے، ایک عورت محض نسبت کی خواہش سے، اور کسی چیز کی نہیں، یہ کر سکتی ہے لیکن اس کے معنی یہ تو نہیں ہو سکتے کہ وہ کسی اور سے نکاح کر دیں بدوں اس کے اذن کے اور روایت میں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے اس کی مرضی معلوم کی ہو کہ میں تمہارا نکاح دوسرے سے کر دوں۔ امام بخاری اگر یہ "السلطان ولی" سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تو یہ بات بھی کمزور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سلطان اس حالت میں ولی ہے جب کہ دوسرے قریبی اولیاء نہ ہوں، قریب اور بعید کے اولیاء نہ ہوں تب حکومت ولی ہوتی

ہے لیکن روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی کوئی تفتیش کی ہو کہ تمہارا کوئی ولی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے اس کو پسند نہیں فرماتے تھے، دوسرے کے نکاح میں دینا چاہتے تھے تو اس کی مرضی معلوم کرتے یا معلوم کرتے کہ اس کا کوئی ولی ہے لیکن روایت میں اس طرح کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ امام بخاری نے اس اعتراض سے بچانے کے لیے "السلطان ولی" کا باب باندھا ہے لیکن روایت پر وہ اعتراض پھر بھی پڑتا ہے اس لیے کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا سلطان یعنی حکومت ولی ہے لیکن اس شکل میں جب دوسرے اولیاء نہ ہوں، تو یہ ایک سوال ہے۔

اس کے بعد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر دینے کو کچھ ہے تو وہاں سب خیریت تھی، کہا کہ ایک تہمد ہے، تو آپ نے فرمایا کہ یہ تہمد دے دو گے تو آپ کیا پہنو گے، جا کر کچھ اور ڈھونڈو تو اس نے کہا مجھے کچھ نہیں ملتا ملاتا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جاؤ ڈھونڈ و لوہے کی ایک انگوٹھی ہی سہی اگر وہ مل جائے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جن صاحب نے نکاح کی درخواست کی تھی ان کا حال یہ تھا کہ فقر و فقیر آدمی تھے اور ان کی غربت کی جو تصویر ہے یہ کچھ قریب الفہم نہیں معلوم ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک آدمی کیسا ہی گیا گذرا ہو لیکن اگر شادی کرنے کا معاملہ ہے تو بہر حال کچھ نہ کچھ کہیں سے کچھ مانگ لے گا، محنت کرنے کا اس میں حوصلہ ہوتا تو کہہ دیتا کہ یہ خدمت کر دوں گا مجھے ایک تہمد چاہیے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ صاحب اتنے ہی بابرکت تھے تو ایک عورت کو ان کے سر منڈھنے میں کیا مصلحت تھی۔ اس پر معاملہ ختم ہو جانا چاہیے تھا۔ پھر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات بھی کہ اگر لوہے کی ایک انگوٹھی ہے تو وہی سہی تو یہ چیز بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ فقہا میں مالکیہ اور شوافع کے ہاں اقل مہر تین درہم ہے۔ احناف کے ہاں اس سے زیادہ ہے اور یہ بھی ہے کہ اقل مہر جو انہوں نے مقرر کیا ہے اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ قیاس جو کیا ہے وہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ مالکیہ اور شوافع اگر تین درہم قرار دیتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اتنے کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے تو اس کو مالیت قرار دے سکتے ہیں اس لیے تین درہم مہر ہو سکتا ہے۔ وہاں بھی بحث ہے کہ تین درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا جا سکتا ہے کہ نہیں کاٹا جا سکتا، میرے نزدیک نہیں کاٹا جا سکتا، تین درہم کے معنی کیا ہوئے ۱۲، ۱۴ آنے ایک روپیہ سے بھی کم تو اس پر کیا ہاتھ کٹ سکتا ہے؟ تو اقل مہر جو قرار دیا گیا وہ قیاس مع الفارق ہے۔ لوہے کی ایک انگوٹھی تو چند پیسے ہوئے۔ اتنے مہر کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کہا، لوگ اس کی توجیہ کرتے ہیں کہ مہر معجل کے طور پر یہ آپ نے کہا ہوگا کہ فوری طور پر یہ دے دے لیکن روایت سے

یہ نہیں نکلتا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن تم کو کچھ یاد ہے تو اس نے کہا کہ یہ سورتیں یاد ہیں ان کا نام لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس کے صلہ میں تمہارا نکاح ان سے کر دیا۔ اس میں یہ بات فقہا کی معلوم ہوتی ہے کہ مہر کے لیے یا مال ہونے کے لیے شے کی ضرورت نہیں ہے کوئی منفعت ہو سکتی ہے، کوئی خدمت ہو سکتی ہے، قرآن میں حضرت شعیب کے قصہ میں ہے کہ آٹھ سال تک تم میری خدمت کرو تو اس پر میں اپنی ایک بیٹی کا نکاح تم سے کر دوں گا، تو یہ بات معقول ہے کہ کوئی منفعت اس کے بدلے میں دی جا سکتی ہے، لیکن قرآن مجید کو کسی چیز کا صلہ بنانا جائز بھی ہے کہ نہیں جائز ہے سوائے حنفیہ کے یہ حضرات سب قائل ہیں یہ روایت پوری کی پوری قابل غور ہے۔

اب ایک بات رہ جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ مانا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت ہوئی ہوگی تو اس کا ذکر نہیں ہے، اگر وہ ذکر ہوتا تو ٹھیک ہے۔ آپ کو یہ ہدایت ہوئی ہوگی کہ نکاح کر دو اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ یہاں کچھ ذکر ہونا چاہیے تھا۔ نہ صرف اس روایت میں بلکہ اس کے جتنے طرق ہیں کسی میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس عورت نے تو اپنے کو ہبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا تھا۔ آپ کی بات اور ہے بڑے سے بڑا بادشاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں اپنے کو دے سکتا ہے تو ایک عورت کی کیا حیثیت ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کسی دوسرے کے نکاح میں دے دیں بغیر اس کی مرضی اور اجازت کے تو یہ اصل نکتہ ہے جو میری سمجھ میں نہیں آیا۔

(ترتیب: سید اسحاق علی)

محبوب سبحانی

مغربی فلسفیوں کے سوالات

جان لاک اور دوسرے مغربی فلسفیوں نے وحی پر دو سوال اٹھائے ہیں کہ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ پیغمبروں کے پاس جو فرشتہ وحی لے کے آتا ہے اس نے خدا کی وحی کو صحیح طور پر سنا اور سمجھا ہو، اس کو دوسروں تک اسی طرح ٹھیک ٹھیک منتقل کیا ہو، اور رسول نے وحی کو بالکل ٹھیک ٹھیک سنا اور سمجھا ہو اور پھر اس کو عام لوگوں تک ٹھیک ٹھیک منتقل کیا ہو۔

یہ اعتراض بنیادی طور پر عیسائیت کے متعلق ہے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کی ان کے مختلف حواریوں نے روایت کی ہے جن کو بعد از اں تحریر میں لایا گیا۔ ان روایات میں اختلافات اور تضادات بہت زیادہ ہیں بعد از اں انجیل میں بہت سی تحریفات کی وجہ سے حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات مسخ ہو گئیں۔ چونکہ یہ اعتراض قرآن مجید کے متعلق بھی کیا جا سکتا ہے اس لیے اس کا تفصیل سے جواب دینا ضروری ہے تاکہ واضح ہو کہ رسول اکرم ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اور ٹھیک ٹھیک منتقلی کے کیا انتظامات کیے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی صفات

تمام انبیاء علیہ السلام خاص طور پر نبی آخر الزماں پر حضرت جبریلؑ وحی لے کر آتے رہے۔ اس کی سب سے بڑی صفت قرآن مجید میں شدید القویٰ بیان ہوئی ہے جس کے معنی تمام اعلیٰ صفات اور صلاحیتوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ جس کی ہر صفت و صلاحیت محکم و مضبوط ہے اس لیے اس امر کا کوئی امکان نہیں ہے کہ کوئی دوسری روح اس کو متاثر یا مرعوب کر سکے، اس سے خیانت کا ارتکاب کرا سکے یا اس کی تعلیم میں کوئی خلط مبحث کر سکے یا اس سے کوئی فروگذاشت ہو سکے یا اس کو کوئی وسوسہ لاحق ہو سکے۔ اس طرح کی تمام کمزوریوں سے اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ رکھا ہے تاکہ جو فرض اس کے سپرد فرمایا ہے اس کو وہ بغیر کسی خلل و فساد کے پوری

دیانت و امانت کے ساتھ ادا کر سکے۔ سورۂ تکویر میں اس فرشتہ کی صفت یوں آئی ہے۔

"یہ ایک باعزت فرستادہ کی وحی ہے وہ بڑی قوت والا اور عرش والے کے نزدیک بارسوخ ہے اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اور وہ نہایت امین بھی ہے۔" (تکویر:۱۹-۲۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبریلؑ جو وحی لے کر آتے ہیں اس کو سنتے اور سمجھتے ہیں انہیں کوئی غلطی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کا کوئی امکان ہو سکتا ہے کیونکہ ان کی خلقت ان اعلیٰ صفات کے ساتھ ہوئی ہے جو وحی کی امانت کو پوری ذہانت کے ساتھ پہچانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

حضرت جبریلؑ کا طریقہ تعلیم

اس مقرب فرشتہ نے نبی کریم ﷺ کو نہایت انہماک، توجہ اور شفقت سے اس وحی کی تعلیم دی جو اللہ تعالیٰ نے اس پر نازل کرنی چاہیے۔ پہلے وہ اپنی اصل صورت میں مستوی القامت ہو کر نمودار ہوا۔ اس کے نمودار ہونے کی جگہ آسمان کے افق اعلیٰ میں تھی جس سے مراد وہ افق ہے جو سمت الراس میں ہوتا ہے اگر کوئی چیز سمت الراس سے نمایاں ہوگی تو چودھویں کے چاند اور دوپہر کے سورج کی طرح وہ بالکل شفاف، جلی اور غیر مشتبہ صورت میں نظر آئے گی۔ اس کے بعد حضرت جبریل آنحضرت ﷺ کو تعلیم دینے کے مقصد سے آپ کے قریب آئے اور جس طرح شفیق اور بزرگ استاد اپنے عزیز و محبوب شاگرد پر نہایت شفقت سے جھک پڑتا ہے اسی طرح وہ آپ کے اوپر جھک پڑے یعنی یہ نہیں ہوا کہ دور سے اپنی بات پھینک ماری ہو اور اس امر کی پرواہ نہ کی ہو کہ آپ نے بات اچھی طرح سنی یا نہیں اور سنی تو سمجھی یا نہیں بلکہ پورے التفات و اہتمام سے اس طرح آپ کے کان میں بات ڈالی کہ آپ اچھی طرح سن لیں اور سمجھ لیں۔

آسمانوں پر پہرہ

قرآن مجید سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں آسمان پر پہرہ بہت سخت کر دیا گیا تھا تاکہ جنوں کی ذرا بھی دراندازی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ بات بیان فرمائی گئی ہے کہ شیاطین جن عالم غیب کی باتیں سننے کے لیے جب گھات لگاتے ہیں تو ان پر شہاب ثاقب کی مار پڑتی ہے لیکن جس دور میں قرآن نازل ہوا اس دور میں آسمان کا ہر گوشہ پہرہ داروں اور شہابوں سے اس طرح بھر دیا گیا کہ جنوں کے لیے دراندازی کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ سورۂ جن میں جنوں کے اس تجربہ کو بیان کیا گیا ہے۔

"اور ہم نے آسمان کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ وہ سخت پہرہ داروں اور شہابوں سے بھر دیا گیا اور ہم اس کے بعض ٹھکانوں میں کچھ سن گن لینے کو بیٹھا کرتے تھے۔ پر اب جو بیٹھے گا وہ ایک شہاب ثاقب کو اپنی گھات میں پائے گا۔" (جن: ۸-۹)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آسمان میں جو پہرہ اس کو شیاطین کی مداخلت سے محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قائم کر رکھا ہے وہ نزول وحی کے زمانہ میں نہایت سخت کر دیا گیا تاکہ ان کو وحی میں کسی دراندازی کی راہ نہ ملے۔ وحی کے نزول اور جبریل امین کی آمد و شد کے دور میں آسمان کی ہر طرف سے ناکہ بندی کر دی گئی تھی تاکہ اچکوں کی راہ مسدود ہو جائے۔

دوسرا سوال

جہاں تک دوسرے اعتراض کا تعلق ہے کہ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ رسول نے وحی کو بالکل ٹھیک ٹھیک سنا ہو اور پھر اس کو عام لوگوں تک ٹھیک ٹھیک منتقل کیا ہو اس کا جواب بڑی حد تک عصمت انبیاء کے ضمن میں آچکا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ کی کڑی نگرانی میں ہوتا ہے۔ اس کی مجال نہیں کہ وہ وحی الٰہی میں کوئی رد و بدل کر سکے۔ قرآن میں صراحت ہے کہ اگر رسول بھی کوئی بات ہم سے غلط منسوب کرے تو ہم اس کو اپنے قوی بازو سے پکڑیں اور اس کی شہ رگ کاٹ دیں۔

مزید برآں وحی لانے والے فرشتہ سے سال میں ایک بار مذاکرہ کا اہتمام بھی کیا گیا حضور ﷺ پر رمضان میں مسجد میں معتکف ہوتے اور اس وقت تک جتنا قرآن نازل ہو چکا ہوتا اس کا جبریل امین کے ساتھ مذاکرہ ہوتا۔ جب قرآن کی تکمیل ہوگئی تو آخری رمضان میں حضور ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف کیا اور حتمی ترتیب پر قرآن دو مرتبہ جبریل امین کو سنایا۔ اس اہتمام سے وحی کے سننے اور سنانے میں غلطی کا ادنیٰ شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ ایسی کوئی غلطی جبریلؑ سے کسی مذاکرہ میں بھی نہیں پائی گئی۔

معجزہ

مشہور مغربی فلسفی ٹامس ہابس کے نزدیک سچے نبی کی دو علامات ہیں ایک یہ کہ معجزہ دکھانا اور پہلے سے قائم دین کے سوا کوئی دوسرا دین نہ دکھانا۔ دوسرے حصہ کا جواب مضمون کی ابتدا میں آچکا ہے اس لیے ہم یہاں معجزہ پر بحث کریں گے۔

معجزہ نبوت کے شرائط میں سے نہیں بلکہ ضروریات اور توابع میں سے ہے۔ کوئی قوم اگر مطالبہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اگر چاہتا ہے تو اتمام حجت کے طور پر نبی کے ذریعہ معجزہ صادر کرا دیتا ہے۔ نبی کی اصل دعوت ان بینات پر مبنی ہوتی ہے جو عقل و فطرت کے اندر ودیعت ہیں اور نبی کی زندگی ان بینات کا مظہر کامل ہوتی ہے۔ وہ اپنی قوم کے اندر خدا کا چلتا پھرتا نور ہوتا ہے۔ اس کی زبان سے نکلا ہوا ہر کلمہ اس کا ہر اشارہ اور ہر عمل اس کی صداقت، اس کی حکمت اور اس کے موہبت الٰہی ہونے کی ایسی گواہی ہوتا ہے کہ اس کی تکذیب صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنے دل کی گواہی کے خلاف اس کی تکذیب کرنا چاہتے ہیں۔

سنت الٰہی

معجزات کے بارے میں سنت الٰہی پیش نظر رہنی چاہیے قدیم انبیاء کی تاریخ میں سب سے نمایاں کارفرمائی معجزات کی نظر آتی ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں انسانی عقل و شعور ابھی اتنا پختہ نہیں ہوا تھا یا عقل بلوغت کے اس مرحلہ سے گزر رہی تھی کہ اس کو ساری چیزوں کے پیچھے چھپی ہوئی اصل حقیقتیں نظر آ سکیں۔ انسان کو مخلوق تو نظر آتی تھی لیکن خالق نظر نہیں آتا تھا۔ اس کا تصور بہت دھندلا تھا۔ اس کو ربوبیت کے سامان تو نظر آتے تھے لیکن رب نظر نہیں آتا تھا۔ حکمت کے مظاہرے دکھائی دیتے تھے لیکن حکیم دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس لیے اس زمانہ میں انبیاء علیہ السلام کو معجزے عطا کیے گئے تاکہ وہ اپنے حواس سے خدا کو پہچان سکیں۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو انہیں دو معجزات ید بیضا اور عصا ملے بعد ازاں انہیں مزید سات معجزات عطا ہوئے جو انہوں نے فرعون کی قوم کو جھنجھوڑنے اور انہیں خدائے واحد کی طرف بلانے کے لیے دکھائے۔ ٹھیک یہی معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے ان کی زندگی بھی معجزات سے معمور ہے۔

حضور ﷺ کے عہد میں معجزات کی کثرت نظر نہیں آتی اس کی جگہ عموماً لوگوں کی فکر و نظر اور سوچنے سمجھنے، سمع اور بصر کی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا پر ایک نیا دور آ گیا جس میں انسان صرف اس چیز کو نہیں جانتا جس کو ہاتھوں سے ٹٹول سکے یا جس کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھ سکے بلکہ ان باتوں کو بھی تسلیم کرنے لگا ہے جو غور و فکر سے تعلق رکھتی ہیں جن کے پیچھے نہ تو اچنبھوں اور کرشموں کی کوئی فوج ہے اور نہ آنکھوں سے دیکھ لینے اور ہاتھوں سے پکڑ لینے کے لیے کوئی مادی اور محسوس پیکر۔ جب انسان کی عقل اس حد تک بالغ ہوگئی تو وہ اپنی عقل سے مادی چیزوں کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقتوں کو دیکھ سکے تو

اسکو آخری رسول کے ذریعہ آخری کتاب اور آخری شریعت عطا کر دی گئی۔

معجزات کے متعلق سنت الٰہی یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ قوموں کے مزاج اور رجحانات کی رعایت سے دیے جاتے ہیں۔ تاکہ ان پر حجت ہو سکیں۔ تاریخوں سے پتہ چلتا ہے مصر میں فراعنہ کے دور میں سحر و شعبدہ کا بڑا زور تھا اور ساحروں کو معاشرہ میں بڑا مقام حاصل تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس بھیجا تو انہیں ید بیضا اور عصا کے معجزے عطا کئے تاکہ ساحروں کے طلسم کو باطل کیا جا سکے بعد ازاں انہیں دوسرے معجزے ٹڈیوں، جوؤں، مینڈکوں، خون کی آفات کے معجزے عطا ہوئے۔

حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں علم طب (Medicalscince) اور علم طبیعات کے بڑا چرچا تھا اور یونان کے اطباء و حکماء (فلسفیوں) کی طب و حکمت گرد و پیش کے ممالک اور امصار کے ارباب کمال پر بہت زیادہ اثر انداز تھی ان ملکوں میں صدیوں سے بڑے بڑے طبیب اور فلسفی اپنی حکمت و دانش اور کمالات طب کا مظاہرہ کر رہے تھے ان حالات میں حضرت عیسیٰؑ کو ایسے معجزات عطا ہوئے جنہوں نے ارباب کمال کو عاجز و درماندہ کر دیا۔ حضرت عیسیٰؑ خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے، پیدائشی اندھے کو بینا اور جزامی کو بھلا چنگا کر دیتے تھے وہ مٹی کے پرندے بنا کر پھونک مارتے جن میں خدا کے حکم سے روح پڑ جاتی تھی اس کے علاوہ وہ یہ بتا دیتے کہ کس نے کیا کھایا اور خرچ کیا ہے اور گھر میں کیا ذخیرہ کیا ہے۔

عربوں میں سب سے زیادہ قدر و عظمت زبان آوری، فصاحت و بلاغت کو حاصل تھی۔ معاشرہ پر خطیبوں اور شاعروں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی وہ اپنے سوا دوسرے کو گونگا کہتے تھے اس لیے ہمارے حضور کو قرآن کا معجزہ عطا ہوا جس کی فصاحت اور بلاغت نے سارے فصیحوں اور بلیغوں کو عاجز و درماندہ کر دیا دوسروں کو گونگا کہنے والوں کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور ان کی زبان آوری کا غرہ مٹ گیا۔

مطالبہ معجزات کا جواب

معجزات کا مطالبہ کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے حوصلہ افزائی نہیں کی ہے۔ بلکہ انہیں ہمیشہ یہی جواب دیا کہ آسمان و زمین معجزات و نشانیوں سے بھرے پڑے ہیں جو آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہیں لیکن ان سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو ان سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن جو ایمان لانا نہیں چاہتے ان کو کوئی نشانی اور معجزہ بھی نفع نہیں پہنچا سکتا۔

معجزے کا مطالبہ سن کر ایک نیک آدمی کو یہ گمان ہوتا ہے کہ کیا عجب ہے کہ یہ اپنی طلب کے مطابق معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ گمان محض گمان ہے اگر ان کے لیے ایسا قرآن اتارا جائے جس سے پہاڑ حرکت میں آجاتے یا زمین شق ہو جاتی یا مردے بولنے لگتے۔ جب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے بلکہ یہ اپنے کفر پر اڑے رہنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا ہی لیتے۔ آخر ان سے پیشروں نے کتنے معجزے دیکھے لیکن وہ ان کو سحر اور شعبدہ بازی کہہ کر بدستور اپنے کفر پر اڑے ہی رہ گئے انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے ان معجزات کو جادو قرار دے دیا جن کا جادوگروں نے خود علی الاعلان اعتراف کر لیا کہ یہ جادو نہیں ہے اور ایمان لے آئے۔

سحر اور معجزہ کا امتیاز

حضرت انبیاءؑ سے جو معجزے ظہور میں آئے ان کا معجزہ ہونا دیکھنے والوں سے مخفی نہیں رہا ان کی قاہرنے اندھوں کی بھی آنکھیں کھول دیں۔ معجزے کی سطوت و جلالت، اس کے ظہور کا انداز، باطل پر اس کا غلبہ اور اس کی قہرمانیت پکار پکار کر شہادت دیتی ہے کہ یہ کمہاروں کے چاک سے بنا ہوا کھلونا نہیں بلکہ اس کا تعلق کہیں اور سے ہے۔ عصا کے اژدھا بنے، مردوں کے زندہ ہو جانے مادر زاد اندھوں کی دنیا روشن ہو جانے پر دیکھنے والے ششدر رہ گئے۔

دوسری چیز پیش کرنے والے کی شخصیت و کردار ہوتی ہے۔ سحر و شعبدہ دکھانے والے ہمیشہ معاشرہ کے ارذل و اشرار ہوتے ہیں۔ جن کی ذلت و نکبت، جن کے اخلاق کی پستی، ان کی دنائت و رذالت ہمیشہ ضرب المثل رہی ہے۔ برعکس اس کے معجزے ان لوگوں کے ہاتھوں ہوئے ہیں جو انسانیت کے گل سرسبد مانے گئے ہیں۔ جن سے دنیا نے علم و عمل اور حکمت و فراست کے سبق سیکھے ہیں۔ جن کی زندگی کا ہر دور اور جن کا ہر قول و فعل اسوہ اور نمونہ قرار پایا جو زندگی کی سخت سے سخت آزمائشوں میں بھی ہمیشہ سو فیصد کھرے پائے گئے ہیں۔

پاسکل کے سوالات

مغربی فلسفی پاسکل نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی آمد کی پیشگوئی موجود تھی، محمدؐ اور عیسیٰؑ میں فرق یہ ہے کہ محمدؐ کی پیشگوئی موجود نہیں اس نے کہا کہ چار ہزار سال سے مسلسل ایسے لوگ آتے رہے ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی آمد کی پیشگوئی کی ہے پاسکل کا یہ دعویٰ بہت بڑے مغالطہ پر مبنی ہے چار ہزار سال سے

مسلسل آنے والے پیغمبروں نے جس رسول کی آمد کی خوشخبری سنائی اور اس کی جو علامات بتائی ہیں ان میں سے کوئی بھی علامت حضرت عیسیٰ میں پائی نہیں جاتی بلکہ یہ ساری علامات حضرت محمدؐ میں پائی جاتی ہیں۔ خود حضرت عیسیٰ نے آخری رسول کی نوید سنائی اور ان کا نام احمد تک بتایا۔ انبیاء علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں جس آخری رسول کی آمد کی خوشخبری سنائی ہے اور جس کا آسمانی کتابوں میں ذکر ہے اس کے بعض ضروری حصے مولانا خالد مسعود کی کتاب 'حیات رسول امیؐ' سے یہاں اختصار سے درج کئے جا رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس رسول کی جو خصوصیات و علامات بیان کی ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔'' (یوحنا: ۱۴-۳۰)

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔''

(یوحنا: ۷-۸)

''مجھے تم سے اور بھی بہت سے باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ سچائی کا روح آئے گا تو تم کو کامل سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہیں کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

(یوحنا: ۱۲-۱۳)

''اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی سچائی کا روح۔ (یوحنا ۱۴: ۱۶-۱۷)

ان اقتباسات سے آنے والے پیغمبر کی چند خصوصیات سامنے آتی ہیں۔

☆ اس کا مقام اور مرتبہ سب سے اونچا ہوگا۔ حضرت عیسیٰؑ بھی اس کے ہم پلہ نہیں ہوں گے۔
☆ اس کے پاس کامل سچائی ہوگی یعنی وہ جو تعلیم دے گا وہ آسمانی ہدایت کی تکمیل کرے گی۔
☆ اس کی تعلیم ابد تک باقی رہے گی یعنی وہ آخری نبی ہوگا اور مستقبل کے متعلق واضح اشارے دے گا۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اب وہی پیغمبر مبعوث ہوگا۔ درمیان زمانہ میں کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔

قرآن مجید کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آخری رسول کا نام لے کر ان کی نوید سنائی ہے اور ان کا نام احمد بتایا ہے سورہ صف میں ہے۔

''اور (یاد کرو) جبکہ کہا کہ عیسیٰ ابن مریم نے: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، مصداق ہوں تورات کی ان (پیش گوئیوں) کا جو مجھ سے پہلے سے موجود ہیں اور خوش خبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا۔ اسکا نام احمد ہوگا''

(صف: ٦)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آنے والے ایک نبی کے مبعوث ہونے کی خبر دی ہے اور اس کی خصوصیات اور علامات بتائی ہیں تورات میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔

''خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے، یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے، تیری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا۔'' (کتاب استثناء ۱۵-۱۸)

تیرے ہی بھائیوں سے مراد بنی اسماعیل میں سے ہے جو حضرت محمدؐ ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ بنی اسماعیل سے صرف وہی نبی ہیں۔ حضرت عیسیٰ تو بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ حضرت داؤود علیہ السلام نے بھی ایک عظیم رسول کی خبر ان الفاظ میں دی ہے۔

''جس پتھر کو معماروں نے رد کیا
وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا
یہ خداوند کی طرف سے ہوا
اور ہماری نظروں میں عجیب ہے
یہ وہی دن ہے جو خداوند نے مقرر کیا
ہم اس میں شادمان ہوں گے اور خوشی منائیں گے
آہ! اے خداوند بچالے

آہ! اے خداوند خوشحالی بخش

مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے

ہم نے تم کو خداوند کے گھر سے دعا دی ہے۔"

(زبور ۱۱۸: ۲۲-۲۶)

اس سے آنے والے نبی کی جو علامات ظاہر ہوئی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

☆ قصر نبوت کی تعمیر میں جو لوگ نظر انداز ہوئے ان میں سے پیغمبر آئے گا۔ نبی اسرائیل میں تو پے درپے۔ بہت سے نبی آئے لیکن بنی اسماعیل میں حضرت اسماعیل کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

☆ جو نبی مبعوث ہوگا وہ قصر نبوت کے کونے کا پتھر ہوگا جس پر نبوت کامل ہو جائے گی۔

☆ اس پیغمبر کے حق میں دعا خداوند کے گھر سے یعنی بیت اللہ سے کی گئی۔ یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا کا حوالہ:

ان تمام علامات کے مصداق حضرت محمدؐ کے سوا کوئی اور نبی نہیں ہو سکے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے آخری رسول کی ان الفاظ میں منادی کی۔

"میں تم کو توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ اس کا چھاج اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیانوں کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو کھتے میں جمع کرے گا مگر بھس کو اس آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں۔"

(متی ۳: ۸-۱۲)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے الفاظ 'جو میرے بعد آتا ہے' سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اس کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ آنجناب ﷺ کے ہم عصر تھے۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہو جاتا ہے کہ انبیاء علیہ السلام نے اپنے بعد میں آنے والے جس پیغمبر کی خبر دی ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ حضرت محمد ﷺ ہیں اس لیے پاسکل کا دعویٰ حقائق پر

پورا نہیں اترتا۔

پیشگوئیاں

پاسکل کے نزدیک پیشگوئیوں کا درست نکلنا سچے نبی کی پہچان ہے پاسکل نے یہ سوال بھی حضور ﷺ کے متعلق اٹھایا ہے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیشرووں کو پیغمبر تسلیم کرتا ہے جن کے متعلق اس کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی پیشگوئیاں کی ہیں۔ حضور ﷺ نے جن واقعات کی پیشگوئی کی ہے ان میں سب سے زیادہ شاندار سب سے زیادہ معرکتہ الارا اور نہایت ہی واضح غلبہ روم کی پیشگوئی ہے۔

ملک عرب سے باہر لیکن اس سے متصل دو عظیم بادشاہتیں ایرانیوں اور رومیوں کی تھیں۔ ایرانی مشرک تھے جبکہ رومی پال کی لائی ہوئی بدعات کے باوجود خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنے والوں میں تھے۔ 616ء میں ایران نے قیصر روم کے علاقہ پر چڑھائی کی تو رومی فوجیں مقابلہ نہ کر سکیں اور ان کے بہت سے علاقہ پر خسرو پرویز کا قبضہ ہو گیا۔ یہ اطلاعات جب مکہ پہنچیں تو قریش نے مسلمانوں کا مذاق اڑانا شروع کیا کہ اپنے ہم مسلکوں کا حشر دیکھ لو۔ تمہارا نبی بھی ہم پر غلبہ کے خواب دیکھتا ہے اگر یہ سچا ہوتا تو خدا ایرانی مشرکوں کو رومی توحید پرستوں پر کیوں غلبہ عطا کرتا۔ مسلمانوں کا بھی یہی حال ہوگا کہ کہیں ان کو سر چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔ مسلمانوں کی ہمدردیاں چونکہ عیسائیوں کے ساتھ تھیں اس لیے وہ شرمندہ ہو کر رہ جاتے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑتا۔ اس موقع پر سورۃ الروم کی آیات نازل ہوئیں۔

"یہ سورہ الٓمٓ ہے رومی پاس کے علاقہ میں مغلوب ہوئے اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد عنقریب چند سالوں میں غالب آجائیں گے۔" (الروم ۳۰: ۱-۳)

یہ پیشگوئی واقعات کے لحاظ سے اس قدر مستبعد اور ناقابل یقین تھی کہ کفار نے اس کے صحیح ہونے کی صورت میں کئی اونٹوں کی ہارنے کی مسلمانوں سے شرط لگائی۔ یہ پیشگوئی کس طرح پوری ہوئی تاریخ زوال روم کے مصنف گبن نے اس کو اس طرح بیان کیا۔

جس وقت ہرقل (روم کا بادشاہ) اپنی بقیہ فوج لے کر قسطنطنیہ سے چلا ہے لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ رومتہ العظمٰی کے آخری لشکر کا منظر دنیا کے سامنے ہے" لیکن عرب کے نبی امی کی پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور

عین اس وقت جب مسلمانوں نے بدر کے میدان میں قریش کو شکست دی رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا، شرقی مقبوضات کا ایک ایک شہر واپس لے لیا اور ایرانیوں کو باسفورس اور نیل کے کناروں سے ہٹا کر پھر دجلہ وفرات کے ساحل کی طرف دھکیل دیا۔ گبن نے لکھا ہے۔

''عین اس وقت جب ایرانیوں کو پیہم کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں اس نے (حضور ﷺ نے) اس پیشگوئی کی جرأت کی کہ چند سال میں فتح وظفر رومی علم پر سایہ فگن ہوگی۔ جس وقت پیشگوئی کی گئی تھی کوئی پیشگوئی بھی اس سے زیادہ دور از قیاس نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ ہرقل کی بارہ سال کی (622-610ء) حکومت نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ رومی شہنشاہی کا شیرازہ جلد بکھر جائے گا۔''

''اس زمین کے اوپر جو کچھ بھی ہے محض وقتی سنگھار کے طور پر ہے۔ مقصود اس سے لوگوں کا امتحان ہے کہ لوگ اسی پر ریجھ کر رہ جاتے ہیں یا اس کے ساتھ جو آخرت لگی ہوئی ہے اس کی فکر بھی کچھ کرتے ہیں۔ بالآخر ایک دن ایسا آنے والا ہے جب اس کا یہ سارا سنگھار چھن جائے گا۔ نہ اس کے دریا اور پہاڑ باقی رہیں گے، نہ وادی و کہسار، نہ باغ و چمن رہیں گے اور نہ ایوان و محل۔ صرف صفاچٹ میدان رہ جائے گا...... آج تو اللہ تعالیٰ پس پردہ لوگوں کا امتحان کر رہا ہے لیکن اس دن یہ پردہ اٹھا دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے کروبیوں کے جلو میں نمودار ہوگا اس وقت اصل حقیقت بالکل بے نقاب ہو کر اس طرح لوگوں کے سامنے آجائے گی کہ کسی کے لیے بھی اس میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔'' (تدبر قرآن، جلد ۹، صفحہ ۳۶۰)

مراسلہ و مذاکرہ

سوال: "ضربت علیھم الذلة والمسکنة وباؤ بغضب من اللہ" لوگ اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ یہود پر ہمیشہ کیلئے ذلت مسلط کر دی گئی ہے۔ کیا اس کا مفہوم صحیح ہے؟

جواب: ہاں یہی مفہوم صحیح ہے۔ ایک امت مسلمہ اپنے اتفاق کے ساتھ دنیا میں موجود ہو تب تو اس کے ہوتے ہوئے یہود کے اوپر دنیا میں ہمیشہ کیلئے ذلت مسلط ہے۔ لیکن اگر امت مسلمہ خود درہم برہم ہو جائے اور انتشار برپا ہو جائے تو قومیں جس طریقہ سے اپنی خاندانی عصبیت کی بنیاد پر اور طاقت کی بنیاد پر بہت کچھ کر لیتی ہیں تو یہود اپنی خاندانی عصبیت کی بنیاد پر آج مسلمانوں سے زور آزمائی کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ذلت ان سے اٹھالی گئی ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی عصبیت بھی کھو چکے ہیں اور قومی عصبیت بھی کھو چکے ہیں۔ عربوں سے زیادہ منتشر کوئی نہیں ہے تو جب یہ منتشر ہیں تو وہ اپنے مقصد کیلئے پورے طریقہ سے متحد ہیں اور جان مال ہر چیز قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ ہمارے ہاں یہ ہے کہ ملت کے بڑے بڑے دشمن خود قوم کے اندر موجود ہیں تو اس وجہ سے اس وقت مسلمانوں کو یہ سزا مل رہی ہیں۔ مسلمان جن کے مقابل میں یہود پر ذلت تھوپی گئی تھی انہیں یہود ہی کے ہاتھوں یہ سزا مل رہی ہے۔ اس کا اقرار کر کے شرمندگی محسوس کرنا چاہیے۔ اگر شرمندگی بھی محسوس نہ کریں تو ڈوب مرنے کی بات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عربوں کی قوم جس طریقہ سے دین سے عاری، حمیت سے عاری، قیادت سے عاری، ملت مرحومہ کی ذمہ داریوں سے عاری ہوگئی ہے اس کی اور کوئی مثال تاریخ میں نہیں ہے۔ یہ اسی کی سزا مل رہی ہے۔ یورپ اور امریکہ نے

عرب ممالک کے بیچ میں اسرائیل کا ایک پچڑ ٹھونک دیا؟ اس کے بعد سارا عرب تلملا رہا ہے اور کسی کے بس میں کچھ نہیں ہے ورنہ واقع یہ ہے کہ مسلمان اپنی تعداد کے لحاظ سے بھی اور وسائل اور دولت کے لحاظ سے اس پوزیشن میں ہیں کہ وہ یہود کو کچا کھا جائیں۔ لیکن عرب تو بالکل ایک ہیز قوم ہو گئے ہیں اور یہود کی ساری صفات ان میں پیدا ہو گئی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کو مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کروائی گئی اس مقصد سے کہ اب دونوں گھروں کی امانتیں تمہاری تحویل میں دی جاتی ہیں۔ آپ کی تحویل میں دی گئی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی امت کی تحویل میں دی گئی۔ یہ امانت جو ملی تو یہ امانت اسی وقت تک امانت رہتی ہے جب تک کہ اس میں خیانت نہیں کی جاتی۔ یہ امانت ہم سے چھن گئی اور یہودیوں جیسی ذلیل قوم نے چھین لی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب ہم ان سے بھی زیادہ ذلیل ہو گئے۔ ہمارے پاس صرف معراج کی داستان رہ گئی اور اب مسجد اقصیٰ یاد آتی ہے۔

سوال: توبہ سے کبائر گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن جو نمازیں اور فرائض جہالت کے دور میں چھوٹے ہوں ان کے بارے میں کیا حکم ہے۔ بعض لوگ قضائے عمری ادا کرتے ہیں کیا یہ ضروری ہے؟

جواب: جہاں تک جہالت کے زمانے کی باتوں کا تعلق ہے تو اسلام ان تمام گناہوں کا حادم ہے جو جہالت کی زندگی میں ہوئے ہیں۔ باقی رہ گیا قضائے عمری تو اس کا ادا کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ تاہم مومن کیلئے یہ ضروری ہے کہ فرض نمازوں کے ساتھ ساتھ نفل نمازیں بھی پڑھتا رہے تاکہ جو فرض نمازیں چھوٹی ہیں اور یاد نہیں ان کی کچھ نہ کچھ تلافی ہوتی رہے۔ باقی قضائے عمری کا کس کے پاس حساب ہے کہ کتنی نمازیں چھوٹی ہیں اور کوئی مبالغہ آمیز طریقہ کسی نے اختیار کیا تو دین میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

سوال: جس طرح اشیاء کے مادی سائنٹیفک اثرات اللہ کے اذن سے پیش آتے ہیں کیا اسی طرح کلمات کے روحانی اثرات بھی اللہ کے اذن سے پیش آتے ہیں۔

جواب: اشیاء کے مادی اثرات اور خواص جو ہیں **Automatically** تو نہیں پیش آتے باذن اللہ پیش آتے ہیں۔ فرض کر لیجئے کہ تمام آسمان کی بجلی گر جائے مگر وہ ایک جان کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا اذن نہ ہو اور چاہے تو ایک خلق کو تباہ کر دے اگر اللہ تعالیٰ اس

کا اذن دے۔ (Titanic) جہاز سے پہلے اتنا بڑا جہاز نہیں بنا تھا اور بنانے والے انجینئروں کو بڑا غرہ تھا کہ بہت محفوظ جہاز ہے لیکن جب چلا تو چشم زدن میں بلبلے کی طرح بیٹھ گیا حالانکہ خیال یہ تھا کہ یہ تمام آفات سے محفوظ ہے۔ یہ واقعہ تو ہمارے زمانے میں پیش آیا۔ کوئی چیز بھی خودکار نہیں، بڑی سے بڑی سائنس کی ایجاد بے بس ہے اس لیے جب کوئی ساحل سے چلے تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ "بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" حضرت سلیمان علیہ السلام کی کتنی بڑی جائیداد تھی۔ تورات میں بیان ہوا ہے کہ جب بھی ان میں سے کسی چیز کو استعمال کرتے تو اللہ کا نام لے کر کرتے۔ تو جو کچھ ہو گا اس کے فضل سے ہو گا میں اسی کا قائل ہوں۔ اسی طرح روحانی اثرات جتنے ہیں وہ بھی سب اللہ کے اذن سے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی جادو کرے تو لازماً وہ اثر کر جائے۔

سوال: بنی اسرائیل اپنی بے شمار کوتاہیوں کے باوجود اتنے لمبے عرصے تک خلافت پر متمکن رہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ایک تو یہ ہے کہ جو زمانہ ان کی خلافت کا ہے وہ زمانہ ان کے نبوت کے سلسلے کا بھی ہے ان کے ہر دور میں نبی رہے ہیں اور افسوس یہ ہے کہ نبیوں کے باوجود ان کے اوپر جوتے پڑے ہیں۔ اپنی تمام نالائقیوں کے باوجود آپ جو خلافت پر متمکن رہے ہیں اس کو کیوں بھول گئے۔ ذرا غور کیجئے کیا چیز رہی ہے آپ کی خلافت بنو امیہ میں، آپ کی خلافت عباسیہ میں اور اس کے بعد کی خلافتوں میں؟ ہماری آنکھیں صرف اس وجہ سے بند ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ وہ نالائقیاں رہی ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے زمانے تک ڈھیل دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اوقات بہت فیاضی سے مقرر کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اتنی ڈھیل دے دیتا ہے کہ آدمی ڈھیٹ ہو جاتا ہے اور سمجھنے لگتا ہے کہ کوئی قانون نہیں ہے۔ یہی مغالطہ ہوتا ہے۔

سوال: آنحضرت ﷺ کا نبوت سے پہلے غار حرا میں قیام کیا عالم تصوف نہیں تھا؟ عقلی لحاظ سے اس کے بغیر دنیا کو کوئی کام بھی عمل پذیر نہیں خواہ وہ شرعی ہو یا غیر شرعی۔ اس پر روشنی ڈال کر مشکور فرمائیں؟

جواب: حضرت محمد ﷺ کا غار حرا میں جو کام تھا وہ کام راز تو نہیں تھا۔ باہر آ کر آپ نے بتایا کہ مجھ پر

وحی آ رہی ہے، مجھ کو اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا اور یہ بتایا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہی کچھ تھا جو قرآن نے بتایا ہے اور تو کوئی چیز آپ نے نہیں بتائی۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیاء ساتھ لایا

تو وہ نسخہ کیمیاء تو یہی قرآن ہے اور اس نسخہ کیمیاء میں تصوف کا کوئی ذکر نہیں، لفظ تک نہیں ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات، اس کے احکام، اس کی مرضیات، سب کا بیان ہے لیکن اس میں تصوف کا بیان نہیں ہے۔ غارِ حرا کی تنہائیوں میں جو امور پبلک میں آئے ہیں وہ تو یہی ہیں۔ باقی رہ گیا کہ کچھ خاص باتیں ہیں جو سوال کرنے والے صاحب ہی کو معلوم ہیں تو براہ راست اسی وقت بتا دیں تا کہ میں اس کے متعلق بھی اپنے خیالات ظاہر کر دوں۔

رہ گیا یہ کہ عقلی لحاظ سے اس کے بغیر دنیا کو کوئی کام بھی عمل پذیر نہیں ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ عقل کونسی ہے۔ مجھے عقلی لحاظ سے بتایئے کہ کس عقل سے آپ نے ثابت کیا کہ تصوف کے بغیر کوئی کام عمل پذیر نہیں ہے۔ یہ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے بغیر کوئی کام صحیح نہیں ہو سکتا۔ یہ عقل بھی کہتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل تمام معاملات میں اللہ کی مرضی، اس کے احکام، اس کی پسند اور ناپسند کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ یہ عقل کے بس میں نہیں ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے آدمی نبی ﷺ کا اور شریعت کا محتاج ہے۔ مگر تصوف کے بارے میں پتہ نہیں اس کی کہاں سے گنجائش پیدا ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ میں صوفیوں کا کوئی کارنامہ نہیں ہے۔ کیا مکہ میں اسلام صوفیوں کے ذریعہ پھیلا۔ کیا مدینہ میں اسلام صوفیوں کے ذریعہ پھیلا۔ کیا تمام عرب میں اور اطراف میں صوفیوں کے ذریعے پھیلا۔ یہ واقعہ نہیں ہے۔ ہوا یہ ہے کہ بعد کی مسلمان حکومتوں نے مسلمان عوام کو افیون کھلانے کا رول صوفیوں کو دے دیا اور انہوں نے اپنے حلقے بنا لیے۔ ان حکومتوں نے یہ سوچا کہ عوام کو ان کے چکر میں ڈال دو تا کہ یہ ہمارے خلاف حرکت نہ کریں۔ انہوں نے اپنے حلقے بنا لیے۔ میں دل میں پورے زخم کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ ان حضرات نے قدیم شرک کو ایک نیا قالب دے دیا۔

عوام کو بدعات سے دلچسپی ہوتی ہے انہوں نے وہی اپنا دیا۔ بدعتوں کے جتنے بڑے بڑے اڈے ہیں یہ تمام مزاروں پر ہیں۔ یہ سوال کہ یہ انہی کے ہاں کیوں ہیں؟ آپ کہیں گے کہ یہ بعد والوں کی حماقت ہے تو بعد والوں نے اور کہیں کیوں نہیں حماقت کر دی۔ تو صوفیوں سے اگر کوئی خدمت انجام پائی ہے تو یہ ہے بے شک عوام کالانعام ایک خاص دین شرک میں مبتلا ہو گئے اور اب ان کی اصلاح ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ میں عام لوگوں کو تو جانتا نہیں کہ کون صوفی ہے کون نہیں ہے، صوفیوں میں دو چار آدمی پڑھے لکھے ہیں، ان کی وجہ سے گویا ان کی تحریروں کو پڑھنا پڑتا کہ کیا کہتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نہ ہوتے، غزالی نہ ہوتے، رسالہ قشیریہ کے مصنف نہ ہوتے، ابو اسمٰعیل ہروی نہ ہوتے تو واقعہ ہے میں ان کی کسی کتاب کو کبھی ہاتھ میں نہ لیتا۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں ان کی تصوف کی کتابوں میں شرک کے تمام جراثیم موجود ہیں۔ مثلاً دیکھ لیجیے وحدت الوجود کے یہ سب لوگ قائل ہیں۔ مجدد صاحب نے وحدت الوجود سے ذرا الگ ہونا چاہا تو ایک نیا فتنہ وحدت الشہود کا کھڑا کر دیا۔ دلیل جہاں سے یہ لوگ لاتے ہیں وہاں تک ہماری اور آپ کی رسائی نہیں ہے۔ ہماری اور آپ کی رسائی تو قرآن اور حدیث تک ہے۔ ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ اس سورہ میں دیکھا یا اس حدیث میں پڑھا۔ تب ہم غور کرتے۔ وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ حدیث وغیرہ کا علم، یہ علم ظاہر ہے یہاں تک کہتے ہیں کہ جو حدثنا اور اخبرنا کے چکر میں پڑ گیا اس سے ہاتھ دھو لو وہ علم نہیں پا سکتا، یہ لوگ یہ کہتے ہیں۔ مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے دلچسپی علمی حیثیت سے ہے اور میں نے اس لیے تصوف کو پڑھا کہ جانا جائے کہ غزالی آخر جو کہتے ہیں کس بنیاد پر کہتے ہیں۔ تب میں نے یہ کتابیں پڑھیں تو معلوم ہوا کہ ان کے ہاں علم کی جو بنیاد ہے وہ الگ ہے۔ ہمارے ہاں علم کی بنیاد قرآن ہے، حدیث ہے، اجتہادِ فکر ہے۔ ان کے ہاں براہ راست تعلق باللہ ہے، وہاں سے اخذ کرتے ہیں۔ اب پتہ نہیں وہاں سے کس طرح سنتے ہیں۔ شیطان سے سنتے ہیں کہ فرشتے سے سنتے ہیں ہمیں پتہ نہیں۔ پیغمبر ﷺ کے متعلق معلوم ہے کہ فرشتے سے سنتے تھے اور قرآن نے اس کو بیان بھی کر دیا۔ صوفیوں کے متعلق ہمیں معلوم نہیں کہ ان سے رشتہ کس کا ہے وہ کہاں سے آئے ہیں دوسرے یہ کہ ہم کسی چیز کو بھی پرکھیں گے تو قرآن پر پرکھیں

گے۔ ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ بات قرآن کے خلاف ہے۔ اگر اس کو آپ شرک کہیے تو وہ سر ہو جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کیا آپ چشتیہ سے، سہروردیہ سے اور فلاں فلاں سے دین زیادہ جانتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ دین کو جاننے یا نہ جاننے کا سوال آپ قرآن میں دیکھو۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے اس کو شرک کہا ہے، ہم کیا کریں۔ اس لیے میرے نزدیک صوفیا جو دین لائے ہیں وہ بدعت کا دین ہے۔ اس میں آپ کو اس سے زیادہ جہاد کرنا پڑے گا جتنا غیر مسلم کو مسلم بنانے میں کرنا پڑتا ہے۔

سوال: آپ نے علماء کا منصب بیان فرمایا ہے کہ انبیاء کے برابر ہے۔ کیا نبی اور رسول منصب میں برابر ہوتے ہیں۔ کام کی نوعیت میں دونوں برابر ہوتے ہیں یا مختلف؟

جواب: علماء کا یہ منصب تو پیغمبر ﷺ ہی نے بتایا کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ یعنی دین سے متعلق جو ذمہ داری بنی اسرائیل کے انبیاء پر تھی اب نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد یہ ذمہ داری اس امت کے علماء پر ہے۔ لیکن انبیاء معصوم ہوتے ہیں علماء معصوم نہیں ہوتے۔ علماء میں سے جو زیادہ سے زیادہ اپنے رب کے فرمانبردار بنیں، نیک بنیں، دین کی خدمت کریں، اپنے منصب کے لحاظ سے اپنی ذمہ داریاں ادا کریں تو وہی ان کا منصب ہے جو منصب بنی اسرائیل کے انبیاء کا تھا اگرچہ وہ معصوم نہیں ہوتے۔ نبی معصوم ہوتا ہے۔ معنی یہ کہ اس کو اللہ کا (Protection) حاصل ہوتا ہے وہ کوئی غلطی نہیں کرتا۔ علماء سے غلطی تو ہو جائے لیکن یہ ہے کہ اس کمزوری کے باوجود وہ دین کی خدمت کیلئے قربانی دیتے ہیں تکلیف اٹھاتے ہیں محنت کر کے لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں تو اس میں شبہ نہیں کہ ان کا درجہ بہت اونچا ہے۔

نبی اور رسول میں کیا فرق ہوتا ہے اور اس کو میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی تفسیر تدبر قرآن میں بیان کیا ہے۔ اس کو وہاں پڑھنا چاہیے۔ مذکورہ حدیث میں انبیاء کا لفظ آیا ہے رسول کا لفظ نہیں آیا۔ اس حدیث میں رسول کا لفظ زیر بحث نہیں ہے۔

سوال: کیا اللہ تعالیٰ انسانوں کی ضروریات اور حاجات براہ راست پوری کرتا ہے یا بندوں کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ ہی پوری کرتا ہے۔ اب کس ذریعہ سے پوری کرتا ہے وہ اللہ ہی جانتا ہے؟ کوئی بندہ اس میں شریک نہیں ہوتا، غیب سے پوری کرا دیتا ہے ضروریات زمین سے پوری کرا دیتا ہے۔ یا آسمان سے پوری کرا دیتا ہے جس طریقہ سے بھی پوری کرا دے آپ کی ضروریات پوری ہوتی ہیں بہرحال اللہ تعالیٰ کے حکم اور علم سے پوری ہوتی ہیں۔ ذرائع جتنے بھی کام کرتے ہیں اسی کے حکم سے کام کرتے ہیں۔ اگر وہ کسی کو توفیق دے دیتا ہے تو اس کے ذریعے پوری ہو جاتی ہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے اللہ ہی کے ذریعے ہوتا ہے۔ چاہے انسان کے ذریعے کرا دے چاہے فرشتوں کے ذریعے کرا دے۔ آپ دعا کرتے ہیں، دعا قبول ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ دعا قبول نہیں ہوتی اور آپ نے اخلاص سے دعا کی ہے تو کسی اور بہتر موقعہ پر پوری ہوتی ہے۔ اگر یہاں نہیں پوری ہو رہی ہے تو وہاں کے لیے انتظار کرتا ہے اور بعض اوقات تو بالکل نقد پوری ہوتی ہے۔ تمام ذرائع اللہ تعالیٰ استعمال کرتا ہے۔ یہ بھی ذریعہ ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں اور اصل ذریعہ دعا ہے، ہمارے پاس دعا کے سوا کوئی طاقت نہیں ہے۔ مومن کا اصلی ہتھیار دعا ہے اور بے خطا ہتھیار ہے۔

سوال: علم نجوم اب اتنا ترقی کر گیا ہے کہ چاند کی منازل صحیح صحیح متعین کی جا سکتی ہیں۔ کیا علم الحساب سے فائدہ اٹھا کر رویت ہلال کمیٹیوں سے نجات حاصل ہو سکتی ہے کیا ضروری ہے کہ ایک ملک میں ایک روز ہی عید منائی جائے۔

جواب: سادہ طریقہ تو یہ ہے کہ صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ روایت میں یہی آیا ہے۔ اپنی رویت سے ظاہر ہے کہ اپنے دیار، اپنے شہر، قرب و جوار میں معلوم کر لیا کہ چاند ہوا ہے تو روزہ رکھئے اور معلوم ہوا کہ چاند ہوا ہے تو عید کیجیے۔ یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے کہ ایک ہی شہر میں ایک سے زائد عیدیں ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ سارے ملک میں عید کا ایک دن ہونا کوئی اہمیت رکھنے والی چیز نہیں ہے۔ الگ الگ بھی ہو سکتی ہے۔ اگر انہوں نے چاند نہیں دیکھا تو اپنی رویت کے اوپر عمل کریں۔ البتہ یہ ہے کہ سائنس کی ترقی سے اب وسعت پیدا ہو گئی ہے اور علم کی ناقدری نہیں ہونی چاہیے۔ اس وجہ

نے اب اگر ایک ملک کے لوگوں کے لیے بشرطیکہ مطالع اور مغارب کا اختلاف نہ ہو ایک رویت سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند ہو گیا تو سارے ملک میں عید ہو سکتی ہے۔ حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی روایت پر اگر درست نہیں ہوں تو سائنسی طریقہ پر آپ معلوم کریں تو یہ ٹھیک ہے اس حد تک آپ انتظام کر لیں اور اتنا رویت ہلال کمیٹی کیا کرے تو ایک وسیع دائرہ میں اطلاع ہو سکتی ہے اور یہ ایک اچھی چیز ہے لیکن اس رویت ہلال کمیٹی کا فائدہ سمجھ میں نہیں آتا جو رات 11 بجے اعلان کرے کہ چاند ہو گیا۔ یہ ایک ناقابل برداشت حالت ہے۔ پھر دو آدمیوں کی شہادت کیا معنی۔ میں نہیں مانتا۔ چاند کے معاملہ میں ایک جماعت کی شہادت ہونی چاہیے۔

(ترتیب سید اسحاق علی)

فاران فاؤنڈیشن

• پبلشرز
• بک سیلرز

فرسٹ فلور، ملک بلڈنگ، 19۔ اے ایبٹ روڈ، لاہور۔
فون: 6303244-42-92+ ای میل: faran@wol.net.pk

پرائس لسٹ

نام کتاب	قیمت
تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ	
1. مجموعہ تفاسیر فراہی	Rs. 400.00
2. * تفسیر قرآن کے اصول	Rs. 80.00
3. حکمت قرآن	Rs. 120.00
تالیفات مولانا امین احسن اصلاحیؒ	
1. تدبر قرآن — کامل (9 جلد)	Rs. 3,330.00
(فی جلد)	Rs. 370.00
2. قرآن حکیم (سٹینڈرڈ ایڈیشن) مع ترجمہ و اخذ و تلخیص تفسیر تدبر قرآن	Rs. 600.00
(حمائل ایڈیشن)	Rs. 425.00
3. قرآن مجید مترجم بین السطور ترجمہ	Rs. 520.00
4. اشاریہ تفسیر تدبر قرآن	Rs. 160.00
5. * تدبر حدیث — شرح امام مالکؒ	Rs. 350.00
6. * تدبر حدیث — شرح صحیح بخاری (جلد اول)	Rs. 360.00
7. * تدبر حدیث — شرح صحیح بخاری (جلد دوم)	Rs. 360.00
8. مبادئ تدبر قرآن	Rs. 160.00
9. مبادئ تدبر حدیث	Rs. 130.00
10. حقیقت شرک و توحید	Rs. 210.00
11. حقیقت نماز	Rs. 75.00
12. حقیقت تقویٰ	Rs. 75.00
13. تزکیۂ نفس — کامل	Rs. 300.00

نام کتاب	قیمت
13. تزکیۂ نفس — جلد دوم	Rs. 150.00
14. دعوت دین اور اس کا طریقہ کار	Rs. 160.00
15. اسلامی قانون کی تدوین	Rs. 110.00
16. اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	Rs. 110.00
17. اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	Rs. 160.00
18. قرآن میں پردے کے احکام	Rs. 20.00
19. فلسفے کے بنیادی مسائل — قرآن حکیم کی روشنی میں	Rs. 170.00
20. تفہیم دین	Rs. 130.00
21. مقالات اصلاحی (جلد اول)	Rs. 240.00
22. مقالات اصلاحی (جلد دوم)	Rs. 275.00
23. * اصول فہم قرآن	Rs. 34.00
24. اسلامی ریاست (زیر طبع)	----
تالیفات مولانا خالد مسعودؒ	
قرآن حکیم (سٹینڈرڈ ایڈیشن)	Rs. 600.00
(حمائل ایڈیشن) مع ترجمہ و اخذ و تلخیص تفسیر تدبر قرآن، ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحیؒ، حواشی: مولانا خالد مسعودؒ	Rs. 425.00
حیات رسول امی ﷺ	Rs. 375.00
اسباق النحو	Rs. 36.00